لسانیات کیا ہے

ڈیوڈ کرسٹل

مترجم

نصیر احمد خاں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت : 1988
دوسری طباعت : 2010
تعداد : 550
قیمت : -/42 روپے
سلسلۂ مطبوعات : 592

Lisaniyat kya hai

by

Devid Crystal

ISBN :978-81-7587-363-6

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی110025
فون نمبر 49539000 فیکس 49539099
ای۔میل urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in
طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-110006
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

دیباچہ 7

لسانیات کیا نہیں ہے 11

لسانیات کیا ہے 57

لسانیات کے فوائد 112

ضمیمہ الف : تفصیلی مطالعے کے لیے دوسری کتابیں 136

ضمیمہ ب : برطانوی یونیورسٹیوں میں لسانیات کے چند اہم انڈر گریجویٹ نصاب 142

دیباچہ

پیشِ نظر کتاب ایک نئے اور تیزی سے ترقی پانے والے مضمون کو ایسے لوگوں میں متعارف کرانے کی کوشش ہے جنہوں نے لسانیات کا غالباً صرف نام ہی سنا ہوگا جو لسانیات کے مفہوم سے ناواقف ہیں اور جنہیں شاید یہ یقین بھی نہیں ہے کہ وہ اس علم کو جاننا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں نے اس موضوع کو عام فہم انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو قاری جلد اور بآسانی یہ جان سکے کہ مذکورہ کتاب کس علم کے بارے میں ہے اور یہ بھی فیصلہ کر سکے کہ کیا وہ اس مضمون کا تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ میرا مقصد لسانیات کا جامع تعارف پیش کرنا نہیں ہے۔ "لسانیات کیا ہے؟" اس عام اور سادہ سے سوال کے لیے لسانیات کے تفصیلی جائزے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس طرح کے سوال پر پیشہ ور ماہرینِ لسانیات کو اپنے مضمون کا بس ایک سرسری خاکہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے لکھی گئی ہے جو لسانیات سے قطعی ناواقف ہیں چنانچہ میں نے کوئی بھی بات یہ سمجھ کر نہیں چھوڑی ہے کہ قاری اس سے پہلے سے واقف ہوگا۔ جو لوگ

لسانیات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں، یہ کتاب ان کے لیے نہیں ہے۔

لسانیات کیا ہے؟ میں نے اس سوال کو پانچ مختلف طریقوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے میرے ذہن میں سامعین کی پانچ علیحدہ جماعتیں ہیں۔ یہ سوال یونی ورسٹی میں داخلے کے خواہشمند ایسے امیدوار کے ذریعہ پوچھا جا سکتا ہے جو لسانیات کو صرف نصاب میں دیکھ کر سوچتا ہے کہ کیا یہ مضمون اس کے لیے مناسب نہیں ہو سکتا؟ یہی سوال انگریزی یا دوسری جدید زبانوں کے مطالعہ کے لیے یونی ورسٹی میں آئے ہوئے بی۔ اے سال اوّل کے طالبِ علم کا بھی ہو سکتا ہے جو سوچتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو لسانیات کو اپنے کورس میں اختیاری مضمون کے طور پر شامل کر سکتا ہے۔ انگریزی پڑھنے والے غیر ملکی طلبا بھی یہ سوال کر سکتے ہیں کیونکہ غیر ملکی زبان کی حیثیت سے انگریزی کی تعلیم و تدریس کے وقت انھوں نے لسانیات کا لفظ اکثر سُنا ہوگا۔ یہی سوال مطالعہ کا شوقین عام قاری بھی پوچھ سکتا ہے جو اس سلسلے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ زبان انسانی رویہ کے بے شمار پہلوؤں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اساتذہ بھی یہ سوال کر سکتے ہیں جن کا اپنے کام کے سلسلے میں اس مضمون سے پہلی بار سابقہ پڑا ہو۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے باب میں لسانیات اور زبان کے بارے میں رائج کچھ غلط فہمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور زبان کے جدید مطالعے کو بعض پرانے نظریات سے قریب لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسرا باب لسانیات جو زبان کی سائنس کہلاتی ہے، اس کے مضمرات سے بحث کرتا ہے۔ اس میں زبان کی ہیئت اور عمل کے

بعض پیچیدہ پہلوؤں کا ذکر بھی شامل ہے۔ تیسرا باب ہمارے سماج میں لسانیات کی اہمیت، افادیت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہاں ان علمی کاموں کا بھی ذکر ہے، جو لسانیات کا علم حاصل کرنے کے لیے کیے جا سکتے ہیں۔ اس کتاب میں لسانیات سے متعلق میری ذاتی رائے بھی شامل ہے جہاں میں نے اپنی توجہ ان مسائل تک محدود رکھی ہے جن کو عام اصطلاح میں غیر رسمی اور روایتی سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بعض ماہرینِ لسانیات یقیناً دوسرے نظریات پر زیادہ زور دیں گے۔ یہ اچھا بھی ہے کیونکہ اس طرح علمِ لسانیات کو زیادہ وسیع تناظر میں دیکھنے کا موقع ملے گا اور یہ ان لوگوں کے لیے مفید ہوگا جو لسانیات کے مطالعہ کو آگے جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ لسانیات کے تفصیلی مطالعے کے لیے میں نے ضمیمہ (الف) میں چند معلومات بہم پہنچائی ہیں اور ضمیمہ (ب) میں ان کورسوں کی تفصیلات دی ہیں جو لسانیات کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے کئی برطانوی یونی ورسٹیوں کے نصابوں میں درج ہیں۔

دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ

کتاب کے اس ایڈیشن میں اصل متن میں متعدد چھوٹی موٹی تبدیلیاں کی گئی ہیں تاکہ متعلقہ مباحث کی مزید وضاحت ہو سکے۔ ضمیمہ (ب) تقریباً دوگنا ہوگیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مختلف یونی ورسٹیوں میں ایک اہم نصابی مضمون کی حیثیت سے لسانیات کا علم تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ بعض کورسوں میں جن کا ذکر پہلی اشاعت

میں تھا، لسانیات کے مختلف شعبوں نے سابقہ تجربوں کی روشنی میں اسناد میں جامعیت پیدا کرنے اور وسعت لانے کی خاطر جو تبدیلیاں کی ہیں انہیں بھی اس دوسرے ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے۔

ڈیوڈ کرسٹل

پہلا باب

لسانیات کیا نہیں ہے

لسانیات ایک ایسا لفظ ہے جس کی اکثر غلط تعریفیں ہوتی رہی ہیں۔ پہلی بار اس لفظ کو سن کر لوگ یہ نہیں کہتے کہ لسانیات کیا ہے؟ بلکہ پوچھتے ہیں کہ لسانیات (LINGUISTICS) کیا چیزیں ہیں؟ گویا یہ لفظ بہت سی (LINGUISTIC) اشیا کے مجموعے کا نام ہے جس کو بآسانی جائزہ لینے کی خاطر یکجا کر دیا گیا ہے؟ جیسے کسی نمائش کی تصویریں وغیرہ۔ لوگوں کا یہ طرزِ عمل حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ ریاضیات کی طرح اسے غیر مادّی تصور نہ کرکے وہ لسانیات کے لفظ کو ایک کار یا موٹر کی طرح کوئی مادّی چیز سمجھتے ہیں۔ دراصل لسانیات کو متعارف ہوئے ابھی اتنا عرصہ نہیں ہوا ہے کہ اس علم کو ایک ذہنی تربیت کے نظام کے طور پر پہچانا جا سکے۔ بحیثیت ایک علم لسانیات کا مطالعہ اس صدی کے ابتدائی زمانے سے شروع ہوا ہے اور برطانوی یونی ورسٹیوں میں 1960ء کے قریب اسے ترقی ملی ہے۔ البتہ امریکہ میں اسے متعارف ہوئے زیادہ دن ہو چکے ہیں لیکن وہاں اس علم کی تعلیم صرف اعلا تعلیمی سطحوں تک محدود رہی ہے۔ برطانیہ

میں لسانیات کے پہلے انڈر گریجویٹ ڈگری کورس (جو کسی بھی مضمون کی ترویج میں ہمیشہ اہم مرحلہ کہلاتا ہے۔) 1964ء میں سب سے پہلے یارک یونی ورسٹی میں ان لوگوں کے لیے شروع کیے گئے جو کسی زبان کو لے کر بی۔اے کرنا چاہتے تھے۔ بعد میں 1966ء میں ریڈنگ یونی ورسٹی نے لسانیات میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کا انتظام کیا۔ اسی وقت سے یہ مضمون یونی ورسٹیوں میں تیزی کے ساتھ اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ (دیکھیے ضمیمہ : ب) لیکن اسکولوں اور دوسرے اعلا تعلیمی اداروں میں ابھی لسانیات کو زیادہ ترقی نہیں ملی ہے۔

لسانیات جدید علم ہونے کی وجہ سے ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس لفظ سے (مثلاً یونی ورسٹی کا نصاب دیکھ کر) پہلی بار دوچار ہو اور لسانیات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہے تو کس طرف رجوع کرے؟ وہ آکس فورڈ انگلش ڈکشنری کی متعلقہ جلد میں اس کا مطلب تلاش کر سکتا ہے لیکن یہ لغت زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس لغت میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ لسانیات (LINGUISTICS) "زبانوں کی سائنس" یا "علمِ زبان" ہے۔ ماہرِ لسانیات (LINGUIST) وہ شخص ہے جو اس علم پر دسترس رکھتا ہو اور عالمِ لسان (LINGUISTICIAN) جو زبانوں کو مہارت کے ساتھ استعمال کر سکتا ہو یا جو اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی عبور رکھتا ہو۔ جہاں تک لسانیات (یا عمومی لسانیات یا لسانی علم) کا تعلق ہے۔ یہ تعریفیں بالکل غلط ہیں جس کی وجہ اگلے صفحات میں بیان کی جائے گی۔ ماہرِ لسانیات کے اصل معنی "زبان کا طالب علم" ہے۔ یہ مفہوم حقیقت

کے قریب ہے گو آکس فورڈ انگلش ڈکشنری نے اِسے رد کردیا ہے۔ صحیح مفہوم کا متلاشی اگر کسی جدید ترین لغت کو دیکھے، جیسے تھرڈ ویبسٹر انٹرنیشنل ڈکشنری (THIRD-WEBSTER INTERNATIONAL DICTIONARY) وغیرہ تو اُسے یقیناً زیادہ جامع اور جدید معلومات حاصل ہوسکتی ہیں لیکن یہ تشریحات اس کے لیے زیادہ اصطلاحی ہوں گی اور نفسِ مضمون تک پہنچنے کے لیے اُسے مزید وضاحت درکار ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ وہ پھر کہاں جائے؟ اگر قسمت ساتھ ہے تو اسکول میں عملی زندگی پر مشورہ دینے والا کوئی استاد یا گردُ پیش کی آبادی کا کوئی لائبریرین جو اس مضمون سے آشنا ہے، چند معلومات بہم پہنچا سکتا ہے لیکن فرض کیجیے کہ اگر ایسا کوئی شخص نہ مل سکا یا ضرورت مند خود ہی اس علم سے ناواقف استاد یا لائبریرین ہے تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟

جو شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ لسانیات کا موضوع کیا ہے، اس کی راہ میں کتنی ہی مشکلات آسکتی ہیں جن کا اعتراف اور مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ لسانیات ایک جدید علم ہونے کی وجہ سے اس پر ایسی تعارفی کتابیں تعداد میں بہت کم ہیں جنہیں نصاب میں شامل کیا جاسکے۔ جو دستیاب ہیں وہ جامع اور اعلا معیار کی ہیں اور مبتدی کے لیے بیکار ہیں جہاں تک جامعیت کا سوال ہے، بلاشبہ لسانیات کا مکمل خاکہ اس شخص کے لیے ضرورت سے زیادہ بوجھل اور جرأت آزما ثابت ہوگا جو اس علم کو پہلی بار پڑھ رہا ہے۔ جامع مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کے اندر اکتسابی دلچسپی اور گہرائی میں جانے کی خواہش موجود ہو جس سے مبتدی محروم ہوتا ہے۔ مثلاً آر۔ اے۔ ہال (R. A. HALL)

کی کتاب "انٹروڈکٹری لن گوئس ٹکس" (INTRODUCTORY LINGUISTICS) کو لیجیے. جو پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے. تعارفی مطالعے کا یہ تصور بڑا سنجیدہ ہے. اس کتاب کو پڑھنے کے لیے زبردست شوق یا کم سے کم لازمی نصابی تعلیم کی ضرورت ہے. لیکن وہ لوگ کیا کریں جن کی نظر میں لسانیات نہ تو دلچسپ مضمون ہے اور نہ ہی زیادہ کارآمد. ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جو لازمی نصابی تعلیم حاصل کیے بغیر لسانیات کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں. میرے خیال میں ابھی تک کوئی ایسی کتاب سامنے نہیں آئی جسے لسانیات کے عام مطالعے کے لیے پیش کیا جا سکے.

جہاں تک معیار کا تعلق ہے اکثر تعارفی کتابوں کو جو حال ہی میں چھپی ہیں اس اعتبار سے تعارفی کہنا مشکل ہے کہ انہیں کسی کی رہنمائی کے بغیر نہ پڑھا اور نہ ہی سمجھا جا سکتا ہے. دراصل ماہرینِ لسانیات لکھتے وقت اُس بڑے فرق کو بھول جاتے ہیں جو زبان کے ان کے مطالعے کے طریقِ کار اور ایک عام انسان کے نقطہ ہائے نظر کے درمیان ہوتا ہے. وہ بہت سی باتوں کو اکثر تسلیم کر کے چلتے ہیں. معمولی وضاحت کے لیے موٹی موٹی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں یا اپنی توجہ علمِ لسانیات کے مخصوص اور محدود مسائل پر مرکوز رکھتے ہیں. کتاب کے عنوان میں یہ لفظ "تعارف" یا "تعارفی" کتنی ہی غلطیوں پر پردہ ڈال دیتا ہے. حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کسی بات کی ضمانت نہیں ملتی اور نہ ہی ایسا ان کتابوں میں ہوتا ہے جن کا عنوان محض "زبان" ہو. اگر رہنمائی کے بغیر کوئی شخص ایسی تحریروں کی گہرائی میں جانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ بہت جلد مشکلات میں گھر جاتا

ہے۔ مثال کے طور پر اُس طالب علم کی غلط فہمی کو لیجیے جو لسانیات میں داخلے کی غرض سے یونی ورسٹی میں انٹرویو دینے آیا ہے اور اس نے "فن ڈامینٹل آف لینگویج" پڑھ رکھی ہے۔ کتاب کا یہ عنوان دھوکے میں ڈال دینے والا ہے۔ دراصل ایسی کتابیں اعلا تعلیم جیسے ایم۔اے وغیرہ کے طلبا کے مطالعے کے لیے ہوتی ہیں۔ عوامی کتب خانوں میں پائی جانے والی کتابیں بھی جہاں تک یونی ورسٹی کی تعلیمی سطح کا تعلق ہے، غیر مناسب ہیں۔ ان میں لسانیات کا عامیانہ اور گمراہ کن بیان ہوتا ہے اور ان کی حیثیت عموماً غیر اصطلاحی ہوتی ہے۔ اگرچہ ایف۔ بوڈمر (F. BODMER) اور ایل۔ ہوگبن (L. HOGBEN) کی "دی لوم آف لینگویج" (THE LOOM OF LANGUAGE) یا ماریو پائی (MARIO PEI) کی "دی اسٹوری آف لینگویج" (THE STORY OF LANGUAGE) کتابیں کئی اعتبار سے دلچسپ ہیں لیکن وہ بھی متعدد غلط نظریات سے بھری پڑی ہیں۔ ان میں حقیقتاً ایسے واضح پہلو سامنے نہیں آتے جن کی لسانیات کا کوئی سنجیدہ قاری امید کرتا ہے۔ ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسی قابلِ اعتماد اور عام فہم کتابیں فراہم ہوں جنہیں پڑھ کر لسانیات کی سوجھ بوجھ جلد حاصل ہو سکے۔ ایسی کتابوں میں بیک وقت مکمل معلومات چاہے نہ ہوں مگر اتنا ضرور ہو کہ اُسے پڑھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ لسانیات کا علم (1) ابتدائی تعلیمی سطح (2) یونی ورسٹی کی تعلیمی سطح یا (3) کسی جدید زبان کی تعلیم کے نصاب میں شامل کرنے کے لیے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ جب تک ایسی کتابیں نہیں لکھی جاتیں، مبتدیوں کا مسئلہ برقرار

رہے گا۔

آکس فورڈ انگلش ڈکشنری سے متعلق ایک اور پریشان کن بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس میں لفظ "لسانیات (LINGUISTICS) کی تعریف دیکھ کر فرض کر لیتے ہیں کہ انہوں نے اس کے معنی جان لیے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں عام طور پر اس کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ لسانیات کے علم کو علمِ زبان (PHILOLOGY) کے ہم معنی سمجھ لیتے ہیں جو صرف زبان کی تاریخ کا علم ہے۔ وہ جب کبھی اس علم کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ان کے پیشِ نظر یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے یونی ورسٹی میں داخلے کے خواہشمند طلبا کی مثال لیجیے، جنہوں نے 1967ء میں ریڈنگ یونی ورسٹی میں لسانیات پڑھنے کی درخواست دی تھی۔ پہلے سال جب یہ مضمون U.C.C.A کے نصاب میں شامل کر کے درخواست دینے والوں سے اس علم کے بارے میں پوچھا گیا تو سب نے یہی خیال ظاہر کیا کہ لسانیات الفاظ اور معنی میں عہد بعہد رونما ہونے والی تبدیلیوں کا علم ہے یا جیسے انسانی تاریخ میں زبانیں کس طرح وجود میں آئیں وغیرہ۔ یہ خیالات انہوں نے کہیں نہ کہیں سے ضرور لیے ہوں گے۔ جوابات کی یکسانیت اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگوں میں زبان کے مطالعے کے اصل موضوع کے بارے میں ایک عام غلط فہمی ہے۔ دراصل ان کے جواب حقیقت کے ایک چھوٹے سے حصے کا احاطہ کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے جوابوں پر اعتماد رکھتے ہیں (اور کیوں نہ رکھیں) تو ان کا یہ فعل کیسا بھی ہو، اس کے نتائج خراب ہوں گے۔ تاریخی مطالعے

سے دلچسپی نہ رکھنے والے لسانیات کی اچھائیوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اس طرح انہیں اس کا احساس بھی نہ ہوگا کہ انہوں نے کیا کھویا ہے۔ دوسری طرف تاریخ کی اہمیت کے قائل لوگ جب غیر تاریخی کام کی شروعات کریں گے جس میں جدید لسانیات کا بہت بڑا حصہ آجاتا ہے، تو انہیں بھی بڑی مایوسی ہوگی۔

بدقسمتی سے ایک خطرہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ لسانیات کے نئے طلبا اپنی رہنمائی کے لیے کسی ایسے شخص کے پاس پہنچ سکتے ہیں جو لسانیات سے واقف تو ہے مگر ایک منزل پر آکر اس سے بدظن ہو چکا ہے۔ بلاشبہ ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ دوسرے جدید علوم کی طرح لسانیات کی تاریخ بھی اصولوں اور معیاروں کی کشمکش اور ان کے درمیان باہمی ٹکراؤ سے بھری پڑی ہے۔ جیسے جیسے اس کا میدان وسیع ہوتا جارہا ہے یہ مسائل بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ لسانیات کی حمایت میں کیے جانے والے بلند آہنگ دعوے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ ادبیاتِ عالیہ کا مطالعہ لسانیات کی تربیت کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا یا ادبی تنقید سرے سے فضول ہوگی۔ اگر کتاب کے متن کو لسانیاتی تناظر میں نہ دیکھا جائے۔ لیکن اس سے بھی بڑی وجہ ایسے لوگوں کا غیر تنقیدی اور قدامت پرستانہ رویہ ہے جنہوں نے انسانی علوم کے زیادہ ترقی یافتہ میدانوں میں کام کیے ہیں۔ لسانیات تسلیم شدہ خیالات کا جس تنقیدی نظر سے جائزہ لیتی ہے وہ اسے بھی پسند نہیں کرتے۔

آجکل لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ لسانیات اور دوسرے علوم کے باہمی رشتوں کے بارے میں زیادہ روشن خیالی اور وسعت نظری کے قائل ہیں لیکن پھر بھی ان کے

جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔ اس سے جو اخلاقی سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ لسانیات سے دلچسپی رکھنے والے کا سابقہ اگر ایسے آدمی سے پڑے جو اس سوال پر چراغ پا ہو جاتا ہو کہ لسانیات کا موضوع کیا ہے تو اُسے چاہیے کہ خوش اخلاقی سے سر ہلا کر آگے بڑھ جائے اور اپنا سوال کسی دوسرے سے پوچھے۔

لسانیات کے اصل موضوع سے متعلق بہت سے غلط تصوّرات بھی رواج پا گئے ہیں جن کا فوری طور پر ازالہ ضروری ہے۔ ہمیں لسانیات کو چار خاص موضوعات سے الگ کر کے دیکھنا چاہیے جو یہ ہیں: (الف) تقابلی علم زبان یا علمِ زبان یا زبان کی تاریخ کا مطالعہ یا جس نام سے بھی اسے ہم پکارتے ہوں (ب) کئی زبانوں پر دسترس حاصل کرنا یا کثیر زبانیت (POLIGLOTTISM) (ج) ادبی تنقید یا دوسرے موضوعات جیسے بولنے کی تربیت وغیرہ، اور (د) قواعد کا روایتی مطالعہ جو ہمارے زیادہ تر اسکولوں میں پچھلی ایک صدی سے اوپر رائج ہے۔ لسانیات کیا ہے؟ اس پر زیادہ باقاعدگی کے ساتھ کچھ کہنے سے پہلے میں مذکورہ بالا نکات کی الگ الگ وضاحت کرنا چاہوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ لسانیات کو تاریخی (یا زمانیاتی) مطالعے کے تناظر میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ زبان کے تاریخی مطالعے میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح مختلف زبانیں قدیم زبانوں سے ترقی کر کے سامنے آئی ہیں؟ جیسے کہ انگریزی زبان قدیم انگریزی سے جسے ہم اکثر اینگلو سیکسن نام سے یاد کرتے ہیں یا فرانسیسی زبان لاطینی سے اور قدیم زبانیں جو اپنے سے پہلے کی اُن زبانوں سے جو اب شاید ختم ہو چکی ہیں، کس طرح وجود میں آئیں

مثال کے طور پر لاطینی، یونانی اور سنسکرت جنہیں ہند یورپی زبان سے ماخوذ کہا جاتا ہے وغیرہ لسانیات میں زبانوں کے ماخذ جیسے ڈرامائی مسائل سے ہم بحث نہیں کرتے یا یہ کہ دُنیا کی پہلی زبان کون سی تھی۔ مشکل ہی سے ایسی کوئی شہادت ہو جس کی مدد سے ان سوالوں کو سائن ٹی فک طریقے سے حل کیا جا سکے۔ "تقابلی علمِ زبان" لسانیاتی علم کی ایک شاخ ہے جس کا کئی صدیوں سے ایک خاص چلن رہا ہے۔ تاہم 18 ویں صدی کے آخیر تک اس میں باضابطگی نہیں آئی تھی۔ تقابلی علمِ زبان لسانیات کے مکمل علم کا محض ایک مختصر مگر پیچیدہ حصہ ہے (مثلاً ریڈنگ یونی ورسٹی کے فائنل کے موجودہ امتحانوں کے نو پرچوں میں سے صرف ایک پرچہ تاریخی مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم لسانیات کی تعریف " زبان کے ایک علم "کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ زبان کے مطالعے میں اُس کی تاریخ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ درحقیقت لسانیات کا بنیادی تعلق زبان کے غیر تاریخی (یعنی یک زمانی) مطالعے میں مضمر ہے۔ بالفاظ دیگر لسانیات کا علم کسی خاص دور کی زبان اور اس کی کیفیات کا مطالعہ اس زبان کے ماضی اور مستقبل کی تاریخ سے بے تعلق ہو کر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی کا مطالعہ کرتے وقت یہ دیکھا جائے گا کہ انگریزی موجودہ زمانے یعنی 20 ویں صدی کی چھٹی دہائی میں کس شکل میں استعمال ہوتی ہے؟ یا پھر شیکس پیر (SHAKESPEARE) کے زمانے میں وہ کیا تھی؟ ایسا نہیں ہے کہ شیکس پیر کی انگریزی موجودہ زمانے کی انگریزی کیسے بن گئی؟ یا موجودہ دور میں مستعمل انگریزی 21 ویں صدی میں تغیرات کے عمل

سے گزر کر کیا شکل اختیار کرے گی۔ زیادہ تر اہم سوالات جو ماہرِ لسانیات زبان کے متعلق پوچھتے ہیں وہ تاریخی نوعیت کے نہیں ہوتے۔ سماج میں زبان کیا کام سرانجام دیتی ہے اور کس طرح دیتی ہے؟ جس زبان سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے اس کا تجزیہ ہم کس طرح کرتے ہیں؟ کیا تمام زبانیں یکساں اعضائے صوت رکھتی ہیں؟ زبان اور خیال کے درمیان کیا تعلّق ہے؟ یا زبان اور ادب کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ ایسے اور اس طرح کے بہت سے سوالوں کے جواب دینے کے لیے ہم مجبور ہیں کہ زبان کو اس کے غیر تاریخی عمل میں دیکھیں۔ جس کے لیے لسانیات کو علمِ طبیعات (PHYSICS) یا علمِ کیمیا (CHEMISTRY) کی طرح تجزیاتی مطالعے کا موضوع سمجھنا چاہیے اور اُسے خود اُس کی اصطلاحوں کے ذریعے دیکھنا چاہیے۔

دوسرے لسانیات کی تعریف زبان سیکھنے یا زبان پڑھنے کے عمل میں نہیں کرنی چاہیے۔ میرے خیال میں ماہرِ لسانیات کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ بہت سی زبانوں پر قدرت رکھتا ہو جبکہ موجودہ زمانے میں اس کا یہی مطلب لیا جاتا ہے۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے اکثر مکالموں میں ایک یہ بھی ہے جس سے میرا واسطہ پڑتا ہے:

سوال کرنے والا: کیا آپ یونی ورسٹی میں ہیں؟ (دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ) وہاں آپ کیا کام کرتے ہیں؟

مَیں: "مَیں لسانیات پڑھاتا ہوں"

سوال کرنے والا: (اُترے ہوئے چہرے کے ساتھ) اوہ۔ آپ کتنی زبانیں

جانتے ہیں ؟'

اس طرح کی گفتگو کے سلسلے کو قایم رکھنا مشکل ہے۔ حقیقت میں بہت کم پیشہ ور ماہرینِ لسانیات ایسے ہیں جو ایک سے زیادہ زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ ایسے سوال کا جواب دینے کے لیے مجھے یہ وضاحت کرنی پڑتی ہے کہ آدمی کے ماہرِ لسانیات ہونے کے لیے سوال زبان بولنے یا سمجھنے کا نہیں ہے بلکہ میری نظر میں لسانیات کا ماہر وہ شخص ہے جو کسی زبان کے "بارے میں کہنے" کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ ان اصولوں سے واقف ہو جن سے زبانیں عبارت ہیں اور اسے تفریق کے اُن اقسام کا بھی علم ہو جو ایک زبان کے مقابلے میں دوسری میں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ جن متعدد زبانوں کے بارے میں ماہرِ لسانیات کسی حد تک تفصیل سے جانتا ہے۔ ان کی تعداد میں سال بہ سال فرق آسکتا ہے۔ اس بات کا انحصار زیادہ تر طالبِ علموں کی نوعیت اور ان کی دلچسپیوں پر ہے جن کو وہ پڑھاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر میرے پاس ایک ایسا طالبِ علم ہے جو کسی وجہ سے ایک افریقی زبان جیسے توی (TWI) پر کام کرنا چاہتا ہے تو میں یا تو اُسے اپنے کسی ایسے ساتھی سے ملنے کا مشورہ دوں گا جو اس زبان کا ماہر ہے یا پھر میں خود اس زبان کا مطالعہ شروع کروں گا تاکہ میں طالبِ علم کی صحیح رہنمائی کرسکوں۔ اس قسم کی مثالوں کے ذریعے میں اپنے سوال کرنے والوں کو سمجھاتا ہوں کہ لسانیات ہم میں وہ اہلیت پیدا کرتی ہے جس کے ذریعے ہم زبان کا مطالعہ زیادہ بھروسے اور باقاعدگی کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ یہ علم زبانوں میں رونما ہونے والے ہر طرح کے

عمل کے بارے میں ہمارے اندر ایک تحلیلی اندازِ فکر پیدا کرتا ہے۔ گو یہ بات بھی صحیح ہے
کہ لسانیات نئی زبانوں کو سیکھنے کی صلاحیت میں اضافہ کرتی ہے لیکن یہ چیز ہمارے اندر
خود بخود پیدا ہوتی ہے جسے لسانیات کی تربیت کا ایک ضمنی اور اتفاقی نتیجہ کہا جاسکتا
ہے۔ عموماً سوال کرنے والوں کو اس قسم کے دلائل سننے کی خواہش ہوتی ہے اور نہ ہی
فرصت۔ اس طرح کی بات چیت آجکل زیادہ ہوتی بھی نہیں ہے۔ میں ماہرِ لسانیات
کے بارے میں اپنے احساسات کی وضاحت نہیں کرتا لیکن اس سوال کے جواب میں کہ
"آپ کتنی زبانیں جانتے ہیں" میں دبی زبان سے کہہ دیتا ہوں" اٹھائیس"

تیسرے لسانیات کا کام بولی جانے والی زبان کی قدر و قیمت متعین کرنا بھی نہیں
ہے۔ مثلاً ماہرِ لسانیات کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ادبی ناقد بن جائے۔ اگرچہ نقاد بھی زبان
کے استعمال سے دلچسپی رکھتا ہے لیکن اس کا اندازِ فکر مختلف ہوتا ہے۔ یہ درست ہے
کہ ماہرِ لسانیات کو ادبی کتابوں میں استعمال ہونے والی زبان کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے لیکن
اس طرح وہ نقاد نہیں ہو جاتا۔ دونوں میں بہت آسان سا فرق ہے۔ ماہرِ لسانیات استعمال
ہونے والی زبان کا جب جائزہ لیتا ہے تو اس کی توجہ صرف ملفوظ نطاموں
(UTTERANCES) کے " حقائق " کے بیان کی طرف ہوتی ہے۔ وہ جائزہ لیتا
ہے کہ آوازوں، قواعد اور فرہنگ کے کون سے نمونے استعمال ہوتے ہیں اور ان کا تناسب
کیا ہے۔ اگر ممکن ہوا تو وہ اس کی بھی وضاحت کر دیتا ہے کہ اظہار کا یہی طریقہ کیوں
اختیار کیا گیا۔ کوئی دوسرا کیوں نہیں وغیرہ۔ لسانیات کا عالم زبان کی قدر و قیمت کا تعین

جمالیاتی، اخلاقی یا کسی دوسرے تنقیدی معیار کو پیشِ نظر رکھ کر نہیں کرتا۔ مثلاً ایک ماہرِ لسانیات جیمس جوئیس (JAMES JOYCE) کی تصنیف اولی سِس (ULYSSES) کی زبان کا مطالعہ کرنے کے بعد آخر میں اس کا کافی صحت مند علم رکھ سکتا ہے کہ جوئیس نے کس طرح زبان کو استعمال کر کے مطلوبہ تاثرات پیدا کیے لیکن وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر رہے گا کہ اولی سِس کو اچھا یا بُرا، غیر فحش یا فحش ناول کہہ سکے یا یہ کہ ناول کے کردار حقیقی زندگی کے قریب ہیں یا نہیں ہیں کیونکہ اس طرح کے فیصلوں کے لیے غیر لسانیاتی معیاروں کے حوالوں کی ضرورت پڑے گی جن کے لیے بحیثیت ماہرِ لسانیات وہ اہل نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی ایک ہی آدمی میں نقاد اور ماہرِ لسانیات دونوں ہی شخصیتیں اکٹھا ہو جاتی ہیں۔ اس سے یہ بات غلط نہیں ہوتی کہ کسی مصنّف کی زبان کے مطالعے میں دو بالکل مختلف عمل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ پہلا زبان کے ملفوظ نظام کے خاموش لسانیاتی عناصر کی پہچان اور ان کے بیان سے تعلّق رکھتا ہے اور دوسرا قاری کے ذہن پر مرتب ہونے والے عناصر کے اثرات کی قدر و قیمت سے متعلق ہے۔ ان دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

اسی طرح فنِ خطابت کے درس لسانیات نہیں ہو سکتے۔ یہاں بھی جزوی مطابقت کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تکلّم آوازوں کی نوعیت اور ان کے مخارج اور طریقِ ادائیگی اور قوتِ سماعت کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ لیکن خطابت میں آوازوں کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے کہ ان کو بعض سماجی

یا جمالیاتی معیاروں کے اعتبار سے زیادہ موثر بنایا جائے۔ اس کے برعکس صوتیات (PHONETICS) یا لسانیات کی وہ شاخ جس میں الفاظ کی بنیادی متکلم آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے -------- تمام انسانی متکلم آوازوں کا خالص معروضی انداز سے مطالعہ کرتی ہے چاہے ان میں کسی سماجی یا ذاتی تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہو یا نہیں۔ مثال کے طور پر 'BATH' میں مختصر 'a' کی آواز جو برطانیہ کی کئی شمالی بولیوں میں سنائی دیتی ہے بعض انگریزی بولنے والوں کو اچھی معلوم ہو سکتی ہے اور دوسروں کو بدنما (اس حد تک کہ اس کے بارے میں اخباروں میں لکھا جائے۔) اس سلسلے میں ایک ماہرِ صوتیات (PHONETICIAN) کے کوئی جذبات نہیں ہوتے۔ اُسے صرف اس سے غرض ہوتی ہے کہ دوسری تمام آوازوں کی طرح اس آواز کی بھی سائن ٹی فک حدود میں رہ کر ایک جامع تعریف و توضیح ہونی چاہیے۔ (دوسرے باب میں ان سائن ٹی فک حدود کی تفصیل پیش کی جائے گی۔)

چوتھے یہ کہ لسانیات کو زبان کے مطالعے کے اس پرانے ڈھنگ سے نہیں ملانا چاہیے جس سے ہم میں سے اکثر اپنے اسکول کے دنوں میں واقف کرا دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ عام طور پر کہا بھی جاتا ہے کہ زبان کا یہ جدید مطالعہ اس قدیم روایتی مطالعے سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔ بہت سے کارآمد نکات کے باوجود زبان کی فطرت کے بارے میں روایتی قواعدیں اپنے بنیادی غلط تصورات کے لیے اکثر یاد کی جاتی ہیں جن میں سے بلیشتر آج بھی ہمارے درمیان ہیں۔ ان میں سے بعض اہم نکات کو مختصراً

بیان کرکے میں سمجھاتا ہوں کہ ہم اس بات کو واضح طور پر پیش کرسکیں گے کہ لسانیات کا اصل موضوع کیا ہے اور مطالعۂ زبان کے لیے اس نئی تفہیم کی اتنی ضرورت کیوں ہے ؟ یہ غلط تصوّرات زبان کے بالکل بنیادی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں اور شاید ہی کوئی ماہر لسانیات ان کی مضرت کے بارے میں مختلف رائے رکھتا ہو۔ (جبکہ دوسرے معاملات میں ماہر لسانیات زبردست اختلافات کا شکار رہتے ہیں۔) یہ ایسے معاملات ہیں جو اکثر عام بحث کا موضوع بنتے ہیں جیساکہ ہم کو "دی ٹائمز" (THE TIMES) کے لیے لکھے گئے مراسلات سے معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے لیے میں انگریزی زبان کو لوں گا کیونکہ پڑھنے والوں میں یہ زبان سب سے زیادہ جانی پہچانی جاتی ہے۔ لیکن انگریزی کے بارے میں جو کچھ کہوں گا وہ کسی بھی دوسری ایسی جدید زبان پر بھی صادق آسکتا ہے جو روائتی انداز میں پڑھی جاتی رہی ہے۔

روایتی قواعد میں سب سے پہلی جو بات ہمیں دکھائی دیتی ہے یہ ہے کہ اس میں عموماً یہ احساس مفقود ہوتا ہے کہ زبان کی تحریری اور بولی جانے والی شکلیں دو مختلف چیزیں ہیں۔ ان کی قواعد اور لفظیات کے انداز بالکل جداگانہ ہیں اور ان کے استعمال کے معیار بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی نظر انداز کردیا جاتا ہے کہ ایک کے لیے جو قوانین اور اصول بنائے جاتے ہیں۔ ان کا اطلاق دوسرے پر نہیں ہوسکتا۔ قواعد کے اصول اس طرح تیار کیے جاتے ہیں گویا وہ تمام انگریزی زبان پر منطبق ہوسکتے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف تحریری زبان سے تعلق

سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر روایتی قواعد کا ایک اُصول یہ ہے کہ انگریزی اسماء (NOUNS) کی جمع بنانے کے لیے اس کے آخر میں س (S) جوڑ دیتے ہیں لیکن یہ قاعدہ بول چال میں بدل جاتا ہے جہاں جمع بنانے کے لیے تین الگ واضح آوازیں مستقل طور پر ملتی ہیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسم کے آخر کی آواز کیا ہے مثلاً: TRAINS ، BOATS اور HORSES کی آخری آوازوں پر غور کیجیے۔ پہلے میں س (S) آواز، دوسرے میں ز (Z) آواز اور تیسرے میں اِز (IS) جیسا لاحقہ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح روایتی قواعد کے اصول مزید توضیح کے بغیر ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ I کے ساتھ (SHALL) کا استعمال ہوتا ہے WILL کا نہیں۔ یہاں بھی یہ فراموش کر دیا جاتا ہے کہ بول چال میں ان دونوں فارموں کا عام رواج نہیں ہے بلکہ I'LL کا ہے۔ انگریزی زبان کے عالموں میں سے بہت کم نے بول چال کی زبان پر توجہ دی ہے۔ یہ بات ایک حد تک قابلِ معافی بھی ہے کیونکہ ٹیپ ریکارڈ اور ایسے ہی دوسرے آلات جن سے بولی جانے والی زبان کا سائن ٹی فک مطالعہ ممکن ہوا ہے، بالکل حال کی ایجاد ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بولیوں کی قربانی دے کر صرف تحریری زبان کا مطالعہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے زبان کی گاڑی کو لسانیات کے گھوڑے کے آگے جوتنا۔ اس کے صحیح ادراک کے لیے ہمیں اس زبان کی فطری بناوٹ کو دیکھنا چاہیے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ زبان کا کام ایک دوسرے سے بات چیت کرنے میں سہولت مہیا کرنا ہے۔ اگرچہ تحریریں بھی لسانیات کے دائرے میں آتی ہیں مگر یہ بول چال کے مقابلے میں زبان

کے بعد کی اور بہت ترقی یافتہ منزل ہے۔ بول چال لسانیاتی اظہار کا اولین ذریعہ ہوتی ہے۔ ہم لکھنے سے بہت پہلے بولنا سیکھتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم کو جتنا لکھنے کا موقع ملتا ہے، بولنے کا اتفاق اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ جتنی بھی فطری زبانیں ہیں، سب میں تحریر سے پہلے بول چال کی ابتدا ہوئی ہے بلکہ آج بھی بہت سی بولیاں ایسی موجود ہیں جن میں تحریر کا سرے سے رواج ہی نہیں ہے۔ اسی لیے زبان کے بارے میں اپنے بیانات کو بول چال کے بجائے تحریر تک محدود رکھنا لسانیات کی اوّلیات میں ردّوبدل کا باعث بنتا ہے جس سے بعد میں پراگندہ خیالی کی بہت سی راہیں کھلتی ہیں۔

اس سے متعلق ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ زیادہ تر روایتی قواعدوں میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے وہ زبان کی تمام تحریری فارموں کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ تحریر کی خاص قسموں خصوصاً بہت زیادہ رسمی قسم کے اسالیب تک محدود رہتا ہے۔ جو چیز ذرا بھی غیر رسمی محسوس ہوتی ہے اُسے سختی سے رد کر دیا جاتا ہے۔ یا اگر اس کو شامل بھی کر لیا جائے تو عامیانہ بولی (SLANG) یا "ناقص قواعد" کا لیبل چسپاں کر کے اُسے قابلِ مذمت قرار دے دیا جاتا ہے چاہے اُس غیر رسمی زبان کا استعمال پڑھے لکھوں میں زیادہ کیوں نہ ہو۔ ہم خود بھی روزمرّہ کی گھریلو زندگی یا دوستوں کو خط لکھتے وقت وہ رسمی زبان استعمال نہیں کرتے جو تقریریں یا ملازمت کی درخواست دینے میں استعمال کرتے ہیں۔ ایک زبان کے کئی رسمی مدارج ہو سکتے ہیں۔ قواعد کا ایک کام یہ بھی ہونا چاہیے

کہ وہ ان مدارج کے فرق کا جائزہ لے اور ان پر غلط اور صحیح کی پرچیاں نہ لگائے۔ مثال کے طور پر ہم سب انگریزی کے اس اصول سے واقف ہیں جو ہمیں بتاتا ہے کہ ضمیر موصولی (RELATIVE PRONOUN) کی حیثیت سے جملے میں "WHO" کے بجائے "WHOM" استعمال کرنا چاہیے۔ جملہ اس طرح ہے: -THE- MAN—— I SAW WAS TALL AND DARK لیکن ایسے اصول انگریزی زبان کی اصل ہیئت کو مسخ کر دیتے ہیں۔ یہاں سوال یہ نہیں ہے کہ "WHOM" کا استعمال صحیح اور "WHO" کا غلط ہے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ بعض خاص حالات میں دونوں صحیح ہیں اور باقی دوسری صورتوں میں دونوں غلط۔ دراصل یہاں فرق یہ ہے کہ ایک کا استعمال زیادہ رسمی ہے اور دوسرے کا غیر رسمی۔ "WHOM" کا استعمال زبان کے رسمی استعمال پر دلالت کرتا ہے اور "WHO" اس کے برعکس ایک غیر رسمی شکل ہے جسے عام بول چال کی زبان سے قریب کہا جا سکتا ہے۔ کسی سرکاری اور رسمی موقع پر اس لفظ کا استعمال جتنا بے محل اور غلط ہوگا اتنا ہی بے تکلف بات چیت میں رسمی لفظ کا استعمال نامناسب ہوگا۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے انگریزی کے دو جملوں کو دیکھیے:

HE REMOVED THE CHAIR WHICH I HAD BEEN SITTING ON

اور

HE REMOVED THE CHAIR ON WHICH I HAD BEEN SITTING.

یہ دونوں ہی جملے انگریزی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس طرح انگریزی قواعد کا یہ سخت اصول کہ "جملے کو حرفِ جار (PRE POSITION) پر ختم نہ کرو" بالکل خلافِ حقیقت ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اصول میں دونوں جملوں کے درمیان رسمی اور غیر رسمی کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ روایتی قواعد ہمیں زبان کی فارموں کے عمل اور ان کے تناسب کی بگڑی ہوئی شکل دیتی ہے اس طرح ہمارے اندر یہ تاثر پیدا ہو جاتا ہے کہ جس زبان کی قواعد کی کتابوں میں توضیح ہوتی ہے وہی معیاری اور عام استعمال کی زبان ہے۔ جبکہ وہ بیشتر زبان کی ایک مخصوص شکل ہوتی ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی کتاب میں صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہو کہ زبان میں استعمال کے بیک وقت مختلف اسلوب ہوتے ہیں یعنی ایک خاص موقع پر ہم جس انداز میں بولتے یا لکھتے ہیں وہ کسی دوسرے موقع کے مقابلے میں کافی مختلف ہو سکتا ہے۔ زبان کی توضیح کے وقت قطعی اور جامد معیار شاذ و نادر ہی بنائے جا سکتے ہیں۔ عام طور پر جب ہم لفظ "انگریزی زبان" ادا کرتے ہیں تو حقیقتاً ہمارا مقصد کوئی ایک ہم آہنگ (LOMOGENEOUS) زبان بالکل نہیں ہوتا بلکہ بہت سی علاقائی اور سماجی بولیوں یا تابع زبانوں (SUB - LANGUAGES) کا مجموعہ مراد ہوتا ہے جو کئی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ دو شخص غالباً بالکل ایک جیسے انداز میں کبھی گفتگو نہیں کرتے بجز اس کے کہ ایک شخص شعوری طور پر دوسرے کی نقل اُتارے۔ اگر اس طرح کی باتوں کو نظر میں رکھا جائے تو ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے

ہیں کہ قواعد کہنے کا کام کس قدر مشکل ہوتا ہے اور زبان کے اسالیب کے فرق کو نظر انداز کرنا کتنا خطرناک ہوسکتا ہے۔

روائتی قواعدوں کے نااہل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے لکھنے والے انگریزی کو کسی دوسری زبان کی اصطلاحوں عموماً لاطینی کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یورپ میں صدیوں سے کلاسیکی زبانوں کو توضیحی اظہار کا معیاری ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً انگریزی زبان کے قواعدی اصول ہمیں بتاتے ہیں کہ: IT IS ME کے بجائے IT IS I کہنا چاہیے یا انگریزی میں اسم کی پانچ بلکہ یوں کہیے کہ چھ حالتیں (CASES) پائی جاتی ہیں جو اس طرح ہیں: حالتِ فاعلی "FISH" (NOMINATIVE) حالتِ سمعیت "O FISH" (VOCATIVE) حالتِ مفعولی "FISH" (ACCUSATIVE) حالتِ اضافی (GENITIVE) OF A FISH حالتِ نسبی "TO/FOR A FISH" (DATIVE) اور حالتِ فاصلی "BY/WITH/FROM A FISH (ABLATIVE)"۔ اگر سنجیدگی سے ان اصولوں کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ محض انگریزی کو لاطینی کی طرح برتنے کی کوشش ہے جیسے وہ لاطینی رہی ہو لیکن انگریزی لاطینی نہیں ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ لاطینی میں ایسا ہوتا ہے صرف اس لیے ہم انگریزی کے لیے بھی یہ لازمی قرار دیں کہ فعل "TO BE" کے بعد اسما یا ضمائر کی فاعلی حالت ہی آنی چاہیے۔ انگریزی قواعد کی ساخت لاطینی قواعد کی ساخت سے الگ عمل رکھتی ہے۔ کیونکہ لاطینی میں چھ حالتیں

ملتی ہیں اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انگریزی میں بھی اسم کی چھ حالتیں ہونی چاہئیں۔ یہ طریقِ کار بہت سی مشکلیں پیدا کرسکتا ہے۔ مثال کے طور پر روایتی قواعد داں " FOR THE BRIDGE " کے لیے حالتِ نصیبی کا استعمال کرتے ہیں لیکن " ACROSS THE BRIDGE " (جس میں لاطینی کی طرح اسم کی فارموں میں لاحقہ استعمال نہیں کیا گیا ہے) ایک ترکیب جار مقدم تر (فقرہ) - (PHRASE -PREPOSITIONAL) کہلائے گی۔ اس کے باوجود کہ دونوں انگریزی میں یکساں داخلی ساخت رکھتے ہیں۔ یہاں غلطی یہ ہے کہ " FOR THE BRIDGE " کو " BRIDGE " لفظ کی ایک 'حالت' مان لیا گیا ہے۔ لفظ حالت سے عام طور پر قواعد داں اسم کی اصل فارموں میں ایک خاص قسم کی تبدیلی مراد لیتے ہیں جو جملے میں دوسرے اجزائے کلام سے اپنا رشتہ یا عمل ظاہر کرتی ہے۔ یہ تبدیلی، تصریف (INFLECTION) کہلاتی ہے اور جن زبانوں میں ایسا عمل ہوتا ہے اُسے تصریفی زبان (INFLECTED LANGUAGE) کہتے ہیں۔ لاطینی میں تصریفات عموماً الفاظ کے آخر میں مختلف طرح کے لاحقے جوڑ کر بنائی جاتی ہیں۔ انگریزی میں مشکل ہی سے تصریفی لاحقے (INFLECTIONAL ENDINGS) ہوں گے۔ ان کے لیے انگریزی میں حروفِ جار (PREPOSITION) کا استعمال کیا جاتا ہے لاطینی کے " PONTI " اور انگریزی کے (FOR THE BRIDGE) دونوں کو حالتِ نصیبی کہنا لفظ 'حالت' (CASE) کو بالکل دوسرے معنوں میں استعمال کرنا

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی میں اسم کی صرف دو حالتیں پائی جاتی ہیں ایک حالت اضافی (جس میں اسم کے آخر میں س (S) جیسی آواز جوڑدی جاتی ہے، جیسے CAT'S ، HORSE'S BOY'S اور دوسری عام حالت (GENERAL CASE) جو باقی ہر صورت میں پائی جاتی ہے، جیسے BOY : BOYS وغیرہ۔ اس کے علاوہ سوچنا اس بات کے مترادف ہوگا کہ انگریزی کے ہمارے توضیحی مطالعے میں لاطینی کی مداخلت ہو رہی ہے جو یقیناً بڑا مضحکہ خیز ہوگا۔ (مثلاً جب کوئی O FISH کہے)۔ غلط توضیحات کی اور بھی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو بظاہر زیادہ واضح نظر نہیں آتیں۔ مثال کے طور پر اس بات پر اصرار کرنا کہ انگریزی کے زمانے (TENSES) کی حدیں بھی وہی ہیں جو لاطینی کی ہیں۔ یہ غلطیاں اس لیے زیادہ اہم ہیں کہ انہیں ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ زبان یا اس کے کسی ایک حصے کے توضیحی بیان میں دوسری زبان کی توضیح کے نتائج نہیں ٹھوسے جائیں۔ چاہے وہ زبان ہماری نظر میں کتنی ہی عمدہ اور قابلِ تقلید کیوں نہ ہو۔ انگریزی زبان کا بیان لاطینی کے بجائے خود اس کے اپنے قاعدوں کے ذریعے ہونا چاہیے۔ انگریزی خود کافی پیچیدہ زبان ہے۔ اس میں لاطینی کی پیچیدگیوں کو شامل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ یہاں یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ ہم دو زبانوں کے درمیان پائی جانے والی حقیقی یکسانیت کے وجود سے انکار کر رہے ہیں۔ بلکہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے

نکات کو ہمیشہ مفروضات کی طرح لینا اور انہیں احتیاط سے جانچنا چاہیے۔ یہ بھی اُن مختلف کاموں میں سے ایک ہے جسے ماہرِ لسانیات کرتا ہے۔

روایتی قواعد میں ایک عام رجحان یہ ہے کہ جب انگریزی قواعد کا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو لاطینی کو سند مان کر اس سے رجوع کیا جاتا ہے اور اس کے فیصلوں کو قولِ فیصل سمجھ لیا جاتا ہے۔ تاہم اس قسم کی قواعدوں یا روزمرہ کی گفتگو میں بعض دوسری سندوں کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل سے برآمد ہونے والے نتائج بھی کم غیر حقیقی نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر زبان کی ساخت کے بارے میں بات کرتے وقت اکثر لوگ منطق کے بعض اصولوں کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ اکثر سننے میں آتا ہے کہ انگریزی فرانسیسی کے مقابلے میں زیادہ منطقی زبان ہے یا (SPOONFULS) کا استعمال (SPOONSFUL) کے مقابلے میں زیادہ منطقی ہے۔ اس طرح کے بیانات میں دو بالکل مختلف اور الگ معیاروں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے یعنی زبان کے لسانیاتی استعمال کا معیار اور زبان کا منطقی استعمال۔ ان دونوں چیزوں کو الگ رکھ کر دیکھنا چاہیے۔ انسانی زبان کی تشکیل منطق کے مطابق نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو زبان کی ساخت میں مکمل جمالیاتی ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ایسی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں جن کے بارے میں پہلے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دراصل زبان ناہمواریوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اسی لیے منطقی استدلال کا زبان پر اطلاق نہیں ہوتا۔ ہم "SMALL-SMALLER" اور "BIG-BIGGER" کہتے ہیں۔

لیکن اگر منطقی رو سے دیکھیں تو ہمیں صحیح فارم کے لیے "GOOD-GOODER" کہنا چاہیے۔کوئی شخص سنجیدگی سے اس کی حمایت کرے مجھے اس میں شبہہ ہے۔اس پر زور دینا کہ" انگریزی زبان میں دو نفی (NEGATIVE) مل کر ایک اثباتی (POSITIVE) بناتے ہیں" نظریاتی مشکلات کا سبب بن سکتا ہے۔کبھی کبھی دو نفی مل کر منطقی طور پر ایک اثباتی بنا سکتے ہیں (مثال کے طور پر "I AM NOT DISSATISFIED" (میں غیر مطمئن نہیں ہوں۔) جو "I AM SATISFIED" (میں مطمئن ہوں) کے ہم معنی ہے۔پھر بھی بالکل ہم معنی نہیں) لیکن اکثر جب دو نفی ساتھ ساتھ آتے ہیں تو زیادہ تاکیدی نفی (EMPHATIC NEGATIVE) کی تشکیل کر لیتے ہیں، جیسے ایک چھوٹا بچہ کہتا ہے: "I 'VE NOT DONE NOTHING" یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے۔یہاں بچّے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ :- "I HAVE DONE-SOMETHING" (میں نے کچھ کیا ہے۔) ہم موجودہ مثال کو اس طرح نہیں لے سکتے اور نہ ہی اِسے" پست معیار" کا استعمال یا' غلط ' قواعد کہہ سکتے ہیں۔ البتہ یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ اس نے جو بولی (DIALECT) استعمال کی ہے اُسے ہم پسند نہیں کرتے۔یہی ہمارے اعتراض کی وجہ ہو سکتی ہے۔یہ سوال سرے سے منطقی نہیں ہو سکتا۔مختصراً یہ کہنا مناسب ہوگا کہ زبان کے معاملے میں ہمیں لفظ " منطق " کا استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے بجائے مروّج (REGULAR) اور غیر مروج (IRREGULAR) فارم کہنا بہتر ہے۔زبان ایسے رجحان کی طرف ہمیشہ مائل رہتی

ہے جہاں اس کی غیر مروّج فارمیں مروّج فارموں کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ اس عمل کو ہم مماثلت (ANALOGY) کہتے ہیں۔ مماثلت کی بہترین مثال ایسے بچوں کی بول چال سے دی جاسکتی ہے جو ابھی بولنا سیکھ رہے ہیں۔ بچے MICE اور "I SAW" کے لیے "MOUSES" اور "I SEED" کا استعمال کرتے ہیں۔ ان شکلوں کو اس طرح برتتے ہیں گویا یہی مروّج فارمیں ہوں۔

کوئی بھی زبان مکمل طور پر منطقی نہیں ہوتی۔ اگر پیچیدگی سے ہماری مراد ایسی زبان ہے جسے سیکھنا مشکل ہو، تو کوئی زبان نہایت پیچیدہ نہیں ہوتی ہے۔ پیچیدگی کے معیار اضافی ہوتے ہیں۔ کسی چیز کو زیادہ مشکل بتانے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے سیکھنے یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کے لیے ہمیں کتنی مشق اور محنت درکار ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ "روسی زبان کا سیکھنا خوفناک حد تک مشکل ہے" تو یہ بات کہنے والے کے لیے درست ہوسکتی ہے لیکن اس سے ہمیں یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ روسی ایک مشکل زبان ہے۔ روسی زبان سیکھتے وقت مشکلات پیش آنے کا انحصار اس بات پر ہے کہ سیکھنے والا جو زبان بولتا ہے وہ آوازوں، قواعد اور اپنی فرہنگ کے اعتبار سے روسی سے کتنی مختلف یا مشابہ ہے۔ اگر سیکھنے والے کی زبان روسی سے بالکل مختلف ہے تو اس کے لیے روسی سیکھنا مشکل ہوسکتا ہے لیکن دوسری صورت میں اس کے سیکھنے کا عمل بہت آسان ہوگا۔ بحیثیتِ مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص کی اپنی زبان اور دوسری کسی زبان کے درمیان قواعدی اور دوسری سطحوں پر جتنے زیادہ فرق

ہوں گے وہ زبان اتنی ہی زیادہ مشکل (یا "پیچیدہ") ہوگی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ روسی زبان اتنی مشکل نہیں ہے جتنی انگریزی۔ ایک روسی بہرحال انگریزی سیکھتے وقت نسبتاً کم مشکل محسوس کرتا ہے۔

اسی طرح سے زبانوں کے بارے میں ہمیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں کہ وہ "معمولی"، "بھونڈی" اور "غیر ترقی یافتہ" زبانیں ہیں۔ اگر اس قسم کے بیانات ان افریقی یا جنوبی امریکہ کی قبائلی زبانوں کے بارے میں دیئے جاتے ہیں جن کے تہذیبی ارتقا کی سطح بہت پست سمجھی جاتی ہے۔ لیکن بشریات (ANTHROPOLOGY) کی رُو سے اگر کوئی قبیلہ ارتقا کی ابتدائی منزل میں ہے تو یہ ضروری نہیں کہ اس کی زبان بھی لسانیات کے اعتبار سے "غیر ترقی یافتہ" ہی ہوگی۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ "غیر ترقی یافتہ" کا لفظ ان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی بھی قسم کے ارتقائی پیمانوں میں سب سے نچلی سطح پر واقع ہوں۔ ایسے پیمانے یا معیار تقابلی بشریات میں تو ہو سکتے ہیں لیکن زبانوں کے معاملے میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ ایسے حقیقی معیار جن کا اطلاق زبان پر ہو سکتا ہے، خود زبان میں بھی ملتے ہیں۔ ہم ایک زبان کو کسی ایسے گز سے نہیں ناپ سکتے جو دوسری زبان سے مستعار لیا گیا ہو۔ اگر کوئی قبیلہ اپنی زبان میں اتنے الفاظ نہیں رکھتا جتنے انگریزی میں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انگریزی سے زیادہ قدیم یا "غیر مہذب" زبان ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس زبان میں زیادہ الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے ذاتی مقاصد کے لیے کافی الفاظ رکھتی ہے۔ اس زبان

کے بولنے والے مثلاً انگریزی کی طرح تکنیکی اصطلاحوں کی اتنی بڑی تعداد میں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اگر کوئی قبیلہ معاشی ترقی کے زیرِ اثر تکنیکی چیزوں کے ربط میں آئے گا تو نئے الفاظ اختراع کر لیے جائیں گے یا مستعار لے لیے جائیں گے۔ اس طرح ان کا کام چل سکتا ہے۔ ایسا سوچنا مضحکہ خیز ہے کہ زبان اُسی صورت میں وجود رکھ سکتی ہے جب اپنے لوگوں کی ضروریات اور گرد و پیش کی چیزوں کو بیان کرنے کے لیے اس میں کافی الفاظ ہوں۔ زبان اپنے بولنے والوں کی سماجی ترقی کے قدم بہ قدم چلتی ہے۔ قدامت یا پچھڑے پن کے بارے میں دلائل دو دھاری تلوار کی طرح ہوتے ہیں جو کسی بھی طرف چلائی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی قبائلی زبان میں تکنیکی اعتبار سے انگریزی کے مقابلے میں جو کمی پائی جاتی ہے۔

وہ اس میں مختلف اقسام کے جنگلی پھلوں سے متعلق انگریزی سے زیادہ وسیع ذخیرۂ الفاظ ہونے کی وجہ سے پوری ہو سکتی ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسی باتیں فرسودہ ہیں کہ "فرانسیسی میں فلاں چیز کے لیے لفظ موجود ہے" (جس کا مطلب غالباً یہ ہوتا ہے کہ فرانسیسی ایسا کہنے والے کی زبان سے بہتر ہے۔) ہو سکتا ہے کہ انگریزی زبان کو کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دس یا سو الفاظ درکار ہوں جبکہ وہی بات فرانسیسی میں صرف ایک لفظ سے ظاہر ہو جاتی ہو۔ لیکن اُسی بات کو ہم اپنے طور پر زیادہ تسلی بخش طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح

انگریزی کے بہت سے تصوّرات ایسے ہیں جن کے لیے فرانسیسی میں "ایک" لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ دراصل زبانیں اچھی یا بُری نہیں ہوتیں۔ وہ صِرف مختلف ہوتی ہیں لیکن لوگ اس طرح ان کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں جیسے کسی دائمی لسانیاتی گھُڑ دوڑ میں اپنے اپنے گھوڑوں کی عقیدہ خوانی کرنے سے ان کا اپنا کچھ مفاد وابستہ ہو۔

کسی زبان کی ماہیت کے سلسلے میں بحث کے لیے منطق اور پیچیدگی دو ایسے معیار ہیں جو ہمیں اکثر متاثر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جمالیاتی معیار بھی ہے۔ کسی زبان کے لفظ، ساخت یا اس کی آواز کو دوسری زبان کے مقابلے میں زیادہ "حسین"، "بدنما" یا "مصنوعی" وغیرہ کہا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں یہ رواج بہت عام تھا کہ زبان کے حسین ہونے کو اکثر فصاحت اور کلاسیکی ادب کے ساتھ جوڑ دیا جاتا تھا۔ اے۔ تھومس ییوٹ (THOMAS ELYOT) نے 1570ء میں اس عہد کے غالب رجحانات کو سمیٹتے ہوئے کہا تھا کہ "مشیتِ ایزدی نے ہمارے لیے یونانی اور لاطینی زبانوں کے علاوہ کسی اور زبان میں صحیح ہدایات اور فصاحت کی جامع مثالیں فراہم نہیں کی ہیں"۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہسپانوی اور فرانسیسی زبانوں کو لاطینی کی "کافی بگڑی ہوئی" شکلیں سمجھا جاتا تھا اور قواعد کو قرونِ وسطیٰ کے آخری دور میں اچھی تحریر اور تقریر کا فن تصوّر کیا جاتا تھا۔ جتنا کوئی سی سیرو (CICERO) کے قریب ہوسکتا تھا، اچھا خیال کیا جاتا تھا۔ آج کل زبان کے بارے میں جمالیاتی فیصلے ایسی صورت میں خاص طور سے عام ہیں۔ جب ہم لوگوں کے لہجے یا تلفظ کے انداز پر بات کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک غیر حقیقی

معیار ہے۔ کوئی بھی آواز دوسری آواز سے نہ بہتر ہو سکتی ہے اور نہ زیادہ حسین۔ ہمارے او پر دوسرے لوگوں کی زبان کا ردِ عمل خود ہمارے سماجی پس منظر اور ان کی بول چال سے واقفیت کی بنا پر ہوتا ہے۔ اگر ہم لی ور پول (LIVER POOL) کے رہنے والے ہیں تو وہاں کی بولی ہمیں زیادہ خوشگوار معلوم ہوگی۔ دوسری صورت میں نہیں یہ زندگی کی ایک عمرانی۔ لسانیاتی (SOCIOLINGUISTIC) حقیقت ہے۔ اگر ہم دوسرے کے لہجے پر تنقید کرتے ہوئے اُسے بھدا یا مصنوعی قرار دیتے ہیں یا کسی ایسی ہی دوسری صفت سے مُتصِف کرنے پر مصر ہیں: مثلاً "مجھے تو کاکینی بول چال (COCKNEY: لندن کی ایک بازاری بولی)، بڑی کرخت اور موسیقیت سے عاری محسوس ہوتی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟" تو گویا اس طرح ہم صرف اپنے حسن کے معیاروں کو دوسروں پر نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اپنی مخصوص لسانیاتی ترجیحات کے مطابق جانچنا چاہتے ہیں۔ عام طور پر یہاں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جن پر ہم تنقید کر رہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ہمارا لہجہ بھی ان لوگوں کو اتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ سماجی نقطۂ نظر سے کچھ لہجے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ کارآمد اور موثر ہوتے ہیں۔ ایک ٹھیٹھ دیہاتی لہجہ اکثر اوقات بہت سے شہری نوعیت کے کاموں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوتا اور اسی طرح شہری لب و لہجہ بھی ملک میں اتنا ہی ناقابلِ قبول ہوسکتا ہے۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے اور اپنی اولین حیثیت میں یہ جمالیاتی معیاروں کا مسئلہ بھی

نہیں ہے۔

ایک چوتھی سند جس کی طرف لوگ عام طور پر رجوع کرتے ھیں، تاریخ (HISTORY) ہے۔ اس سلسلے میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ کسی لفظ کا "حقیقی" یا "صحیح" مفہوم اس لفظ کے سب سے پرانے معنی ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ دلیل بھی دی جا سکتی ہے کہ "HISTORY" (تاریخ) کے اصل معنی "تحقیق" کے ہیں کیونکہ یہ جس یونانی لفظ HISTORIA سے ماخوذ ہے اس کے معنی یہی تھے۔ یا لفظ "NICE" (نفیس) کے اصل معنی مشکل پسند (FASTIDIOUS) کے ہیں جیسا کہ شیکس پیئر (SHAKES PEARE) کے عہد میں تھا جہاں اس لفظ کے یہ معنی بھی لیے جاتے تھے۔ دراصل ایک لفظ کو لوگ اکثر محض اس لیے "بے معنی" قرار دے دیتے ہیں کہ اب وہ اپنے خاص قدیم مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس کی مثال زیر بحث لفظ "NICE" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ انتہائی قدامت پرستی کا یہ نظریہ مہملیت کے حدود میں آجاتا ہے جس سے دو مختلف قسم کے نظریوں میں ایک اور الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے جبکہ انہیں ایک دوسرے سے الگ رکھنا چاہیے۔ جدید انگریزی لفظ کے معنی ہیں صرف اس بات کا مطالعہ کرنے سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں کہ "جدید انگریزی" میں وہ کس طرح استعمال ہوتا ہے اور آجکل وہ کن چیزوں یا تصورات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اُس مفہوم کو جاننے کا یہی واحد طریقہ بھی ہے۔ یہ سوال کہ کسی لفظ سے برسوں پہلے کیا معنی مُراد لیے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں

بے محل ہے۔ ہم جدید انگریزی لفظ "TROUSERS" (پتلون) کو یونانی یا ایلزبتھین (ELIZABETHAN) معیاروں کے حوالے سے قابلِ تنقید قرار نہیں دیتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پرانے معیاروں پر قائم نہ رہنے کے باوجود بھی ہم جدید لسانیاتی عادتوں پر تنقید کریں۔

معنی کی بحث میں تاریخ پر اس انحصار کی مہلیت کو بہت آسانی سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات ایسے عمل کو اشتقاقیاتی مغالطہ (ETYMOLOGICAL-FALLACY) کہا جاتا ہے جہاں کسی بھی دلیل کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچایا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ ایک لفظ کے قدیم ترین معنی ہی صحیح ہیں تو پھر ہم شیکسپیئر تک ہی جاکر نہیں ٹھہر سکتے۔ مثال کے طور پر "NICE" کے معنی تلاش کرنے کے لیے قدیم فرانسیسی زبان کی طرف جانا پڑے گا۔ (جہاں "NICE" کے معنی "بیوقوف" کے ہیں۔) وہاں سے پھر لاطینی سے رجوع کرنا پڑے گا (جس میں "NE SCIUS" کے معنی "جاہل" کے ہیں۔) اس کے بعد ہم زیادہ قدیم زبان پر جو لاطینی کا ماخذ ہو، نظر ڈالیں گے۔ اس میں ایسے معنی مل سکتے ہیں جس سے کوئی واضح مطلب نہ لیا جاسکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ زبان بھی سب سے قدیم نہیں کہی جاسکتی کیونکہ قدیم ترین زبان تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے وہ ہمیشہ کے لیے گم ہو چکی ہے۔ اسے کبھی ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا اس لیے اس کی رکاوٹ بھی نہیں ملی۔ اس طرح مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن الفاظ کو ہم استعمال کرتے ہیں ان کے اصل معنوں کو ہم کبھی نہیں

جان سکتے۔ جب یہ صورت ہے تو انہیں ایک دوسرے کی گفتگو میں کیوں کر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی دلیل کے غلط ہونے کا اندازہ مذکورہ بالا بیان سے ہو جانا چاہیے۔ یہاں اس حقیقت کا اعتراف کرلینا بہتر ہوگا کہ زبان اپنی "آوازوں" قواعد اور فرہنگ میں تبدیلیاں لاتی ہے اور ہر لسانیاتی دور کو اُسی دور کے حوالے سے ہی سمجھنا مناسب ہے۔

اس تاریخی اور غیر تاریخی معیاروں کے اُلجھاؤ کا ایک مخصوص پہلو عام طور پر روایتی قواعد کی کتابوں اور الفاظ سے متعلق روزمرہ کے بحث ومباحثے میں دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح قواعد کے ماہرین جب جدید انگریزی کے بارے میں لکھتے ہیں تو ان کا اکثر وقت زبان کی قدیم حالتوں کے ذکر میں صرف ہوتا ہے یا انگریزی کی جدید شکلوں کی وضاحت کرنے کے لیے انہیں بار بار انگریزی کی قدیم فارموں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اوّل الذکر میں مثال کے طور پر ایک ایسے ماہر قواعد کو پیش کیا جاسکتا ہے جو جدید انگریزی کے کسی فعل کی وضاحت کے لیے یہ بتانا شروع کرتا ہے کہ این گلو سیک سن (ANGLO-SAXON) زبان میں کتنی قسم کے فعل ہوتے تھے یا یہ کہ انگریزی میں ایک فجائیہ ترکیب "FORSOOTH" (INTERJECTION) بھی ہے۔ اس قسم کی چیزوں پر رائے دینا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ موخرالذکر کی مثال وہ ماہر قواعد ہے جو فعل امدادی (AUXILARY VERB) "OUGHT" کی وضاحت اس طرح کرتا ہے جیسے وہ "OWE" کا صیغۂ ماضی (PAST TENSE)

ہو۔ اگرچہ پہلے یہی صورت تھی مگر اب نہیں ہے۔ اس قسم کی بحث جدید انگریزی زبان کے مطالعے کے لیے غیر مناسب ہے۔ لفظ "OUGHT" کے گذشتہ استعمال پر جو کچھ کہا گیا ہے اس سے قطع نظر اب بھی اس لفظ کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ کسی زبان کی موجودہ صورتِ حال کے مطالعے کے لیے اس زبان کی ماضی کی معلومات ضروری نہیں ہیں۔ اتفاق سے اس کے برعکس کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ این گلوسیکسن زبان کا مطالعہ جدید انگریزی زبان کی ساخت کے ذریعہ کریں تو وہ بھی اتنا ہی گمراہ کن ہو سکتا ہے۔

پچھلے صفحات میں شیکسپیئر کے ذکر سے ذہن میں پانچویں سند کا خیال آتا ہے جس سے ماہرینِ قواعد اور دوسرے لوگ رجوع کرتے رہے ہیں یعنی مصنّفوں کی زبان کا "بہترین" استعمال۔ ابتدائی لغات میں بھی یہی کیا گیا ہے۔ ان لغات میں صرف ایسے الفاظ شامل کیے گئے ہیں جنہیں مشہور لکھنے والے استعمال کرتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ جدید قواعد کی ابتدائی کتابوں میں مشہور ناول نگاروں یا غیر افسانوی ادیبوں کی تحریروں سے اکثر اقتباسات لے کر قواعدی اُصول مرتب کیے گئے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسے معیار سے برآمد ہونے والے نتائج صرف انگریزی کی خاص ادبی شکل کی بہت محدود توضیح ہی پیش کریں گے۔ اگر ہم ہر وقت جین اوسٹن (JANE - AUSTEN) کے انداز میں گفتگو کریں جیسا کہ کئی قواعد کی کتابوں کے مطابق ہمیں کرنا چاہیے تو اس کے نتائج ناقابلِ برداشت ہوں گے۔ لیکن یہ رویہ صرف

ماہرینِ قواعد کے لیے ہی مخصوص نہیں۔ اکثر اوقات عام مباحثوں میں بھی اس قسم کے نعرے سنائی دیتے ہیں کہ "شیکسپیئر جو زبان بولتا تھا اس کی حفاظت کرو۔" یہ مخصوص نعرہ ایک مشہور اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے اس مضمون سے لیا گیا ہے جو حال ہی میں ایک اخبار کے لیے لکھا گیا تھا۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ انگریزی زبان میں ادبی ترقی کے شیکسپیئری عہد کے بعد زوال آیا ہے۔ یہ خیال اس نظریے کی صدائے بازگشت ہے کہ زبان کی تبدیلیاں ہمیشہ اس کو خرابی کی طرف لے جاتی ہیں اور زبان کی قدیم شکلیں بنیادی طور پر جدید تر شکلوں کے مقابلے میں افضل ہوتی ہیں۔ یہی وہ خیال ہے جس کی وجہ سے مجھے پچھلے دو پیراگرافوں میں تنقید کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

ایک چھوٹی سند جس کا قواعد داں غالباً سب سے زیادہ حوالہ دیتا ہے خود اس کی اپنی ذات ہے۔ گوکہ عام طور پر اس کا اعتراف نہیں کیا جاتا۔ بہت سی نصابی کتابیں اکثر مصنّف کے ذاتی تاثرات کو نمایاں طور پر پیش کرتی ہیں اور ان میں جو اصول وضع کیے جاتے ہیں وہ لکھنے والے کے اپنی زبان کے استعمال کی نیم پختہ واقفیت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ امر انتہائی دشوار گزار رہے کہ زبان کی قواعد کا ایک ہی حصہ خواہ کوئی شخص خود اطلاع دہندہ (INFORMANT) بن کر اس طرح لکھے کہ ہر بات کے لیے وہ اپنی معلومات ہی کو ترجیح دے۔ اکثر لوگ اپنے بیانات میں خود اپنی بول چال کا حوالہ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا بالکل غلط ہے۔ مثلاً بہت سے لوگوں کو اس بات کا یقین ہوتا

ہے کہ وہ "بہت تیزی" سے بولتے ہیں (جبکہ وہ اعتدال پسند انداز کی بات چیت پر کام کر رہے ہوتے ہیں۔) وہ سمجھتے ہیں کہ "HIM" اور "HER" جیسے الفاظ کے عام تلفّظ میں H (ہ) کی آواز شامل ہے وغیرہ (حالانکہ انگریزی میں یہ الفاظ منفرد حیثیت سے یا زور یابل (STRESS) کے سوا مشکل سے ہی (ہ) آواز کے ساتھ ادا ہوتے ہیں۔) اس قسم کی دوسری "لا پرواہی" وہ ہے جب دوسروں کی بول چال پر ایک انگریزی کی تنقید "امریکیت" کی بنیاد پر ہوتی ہے حالانکہ اس کی تنقید کا موردِ زبان کا ایسا استعمال ہوتا ہے جو اس کے خیال میں "صحیح" انگریزی کے اُصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا خواہ اس کے استعمال کی ابتدا امریکہ سے ہوئی ہو یا کہیں اور سے۔ چند ہی لوگ اس بات کا صحیح علم رکھتے ہوں گے کہ زبان کے کون سے حصے امریکی استعمال سے براہِ راست متاثر ہیں۔ بدقسمتی سے امریکیت کا نام ہر اس چیز سے منسوب کر دیا جاتا ہے جو قابلِ مذمت سمجھی جاتی ہے۔ امریکیت ایک لحاظ سے قابلِ مذمت اصطلاح بن گئی ہے۔

بعض اوقات یقین سے یہ کہنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے کہ حقیقتاً کون شخص کیا کہتا ہے۔ یہ صورتِ حال خصوصاً اس وقت پیش آتی ہے جب زبان کے استعمال میں ایک ہی جماعت کے لوگ آپس میں بے ہوتے ہوں۔ مثال کے طور پر اس قسم کے جملوں کو آپ کہاں تک قابلِ قبول سمجھیں گے یا خود کہاں تک استعمال کرنا پسند کریں گے!

جیسے I WAS SAT OPPOSIT BY A 'HE IS REGARDED INSANE

یا JOHN AND MARY AREN'T VERY LOVED

THAT BABY IS STRANGER SILLY AND CRYING اکثر ایسے مقام آتے ہیں جہاں آپ ان جملوں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ عام طور پر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو بھی پہلا تاثر قائم ہوا ہے وہ اسے صحیح مان لے۔ یہ بہت خطرناک ہے۔ ایک شخص یہ بھی محسوس کر سکتا ہے کہ وہ جس انداز میں بات کر رہا ہے اس پر اسے پورا یقین ہے (مثال کے طور پر اُسے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ وہ "CONTRO-VERSY" کے تلفظ میں پہلے رکن (SYLLABLE) پر خاص زور دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ روز (یا چند ہی منٹ) بعد وہ اپنے کو "CONTROVERSY" کا لفظ دوسرے رکن پر زور دے کر تلفظ کرتے ہوئے پائے۔ جب ایک شخص کے استعمال میں اس قسم کی دشواریاں پیش آ سکتی ہیں تو دوسروں کے یہاں صحیح پتا لگانا مقابلتاً زیادہ دشوار ہو سکتا ہے۔ زبان کا مسئلہ اُسے تسلیم کر لیے جانے والے انداز کے مسائل سے جُڑا ہوتا ہے۔ اس لیے ایک قواعد داں کے ہر توضیحی بیان کو خود اس کے وجدان اور دوسرے لوگوں کا زبان کے بارے میں جو وجدان ہے، اس پر مبنی معلومات کے ساتھ رکھ کر باقاعدہ جانچنے کی ضرورت ہے۔ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ پچاس فی صدی لوگ ایک بات کا دعویٰ کرتے ہوں اور باقی کسی دوسری بات پر متفق ہوں تو زبان کے استعمال کے بارے میں اس تناسب کو تلفظ اور قواعد کے اصولوں میں بھی ظاہر ہونا چاہیے۔ سوال ایک کے صحیح اور دوسرے کے غلط ہونے کا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، دونوں ہی کسی حد تک قابلِ قبول ہو سکتے ہیں۔

لسانیاتی توضیح کے سلسلے میں ایک دوسرا تاثراتی پہلو یہ ہے کہ قواعد کی کتاب میں ملنے والی معلومات بہت زیادہ انتخابی (SELECTIVE) ہوتی ہیں۔ کوئی بھی روائتی قواعد ایسی نہیں ہے جو مکمل ہو یعنی جس میں زبان کے تمام جملوں کی مکمل توضیح پیش کی گئی ہو۔ لسانیاتی مطالعے پر منحصر قواعد بھی مکمل نہیں ہوتی لیکن ایک ماہرِ لسانیات کم سے کم اس بات سے زیادہ باخبر رہتا ہے کہ اس کے مطالعے میں کیا کمی رہ گئی ہے اور وہ ایسا طرزِ عمل بھی نہیں اپناتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کی جزوی توضیح پوری طرح مکمل ہے۔ ایک قواعد کو ایسے اُصولوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ جو مروجہ استعمال کی "مکمل" ساخت کا احاطہ کرتے ہوں اور جس میں مستثنیات کے علاوہ باقاعدگی کی مثالیں بھی شامل ہوں۔

زبان کے بارے میں روایتی رویے کی کوتاہیوں پر ایسی باتیں جن سے ایک ماہرِ لسانیات اتفاق نہیں کرتا، ایک جامع درسی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف ایک اور پہلو پر اشارہ کرنے کے بعد دوسرے مسائل پر غور کریں گے۔ اس مسئلہ کا تعلق سند یا استعمال سے اتنا نہیں ہے جتنا طریقِ کار "METHODOLOGY" سے ہے۔ روایتی قواعد کی نمایاں خصوصیت اس کی تصریفات کا غیر ضروری ابہام اور اہم نکات کے بارے میں صراحت کی کمی ہے۔ اکثر اوقات زبان اور قواعد کے بارے میں فیصلہ کن (اور قابلِ اعتراض) مفروضات قائم کرلیے جاتے ہیں لیکن انہیں وضاحت سے بیان نہیں کیا جاتا۔ زبان پر گفتگو کرنے کے لیے جن اصطلاحات کی ضرورت پڑتی

ہے ان کی صحیح طور پر تعریف پیش نہیں کی جاتی۔ اصطلاحات کی نامناسب تعریف کی سب سے نمایاں مثال اجزائے کلام (PARTS OF SPEECH) کی اصطلاحوں اوران کی تعریفوں میں نظر آتی ہے۔ اجزائے کلام سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں یہ بتائیں کہ کسی زبان کی قواعد کس طرح عمل کرتی ہے۔ اس بات سے سبھی کو اتفاق ہوگا لیکن اجزائے کلام کی زیادہ تر روایتی تعریفیں عموماً سب سے زیادہ خلافِ قواعد ہوتی ہیں۔ عام طور پر اسم کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ "کسی شخص، جگہ یا چیز کا نام ہے" لیکن یہ تعریف ہمیں اسم کی قواعد کے بارے میں کچھ نہیں بتاتی۔ اس سے صرف ایک مبہم سا اشارہ ملتا ہے کہ اسما خارجی دنیا میں کن چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اسم کی ایک قواعدی تعریف کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیں اس کی قواعد سے متعلق معلومات فراہم کرے۔ مثال کے طور پر اُسے یہ بتانا چاہیے کہ ایک اسم کا جملے میں کہاں استعمال ہوتا ہے۔ وہ کیسے تصریفی عمل دہراتا ہے۔ آیا وہ ربطی قطعہ (ARTICLE) اور حرفِ جار (PREPOSITION) سے پہلے یا بعد میں آتا ہے وغیرہ۔ لیکن بالائی تعریف اس میں سے ہمیں کچھ بھی نہیں بتاتی۔ مزید برآں جو معلومات وہ دیتی ہے، غیر متعلّق ہونے کے علاوہ فضول ہونے کی حد تک مبہم بھی ہوتی ہیں۔ کیا مجرّد اسما (ABSTRECT NOUNS) جیسے "خوبصورتی" اس تعریف میں شامل ہیں؟ کیا مدلّل طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "خوبصورتی" بھی ایک چیز کا نام ہے؟ اسی طرح اگر فعل کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ الفاظ فعل ہیں جن میں کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے

تو "SEEM" اور BE جیسے الفاظ کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ جو یقیناً افعال کے ضمن میں آتے ہیں لیکن ان میں کام کا کرنا نہیں پایا جاتا۔ پھر ان اسما کے بارے میں کیا خیال ہے جن میں کسی کام کا حوالہ ملتا ہو، مثلاً "HIS BREATHING" کا لفظ "BREATHING WAS IRREGULAR" جیسے جملے میں یا "PUNCH" HE GAVE HIM A PUNCH جیسے جملے میں اپنے معنی کے اعتبار سے ان الفاظ کو یکساں طور پر فعل یا اسم کہنا صحیح ہوگا کیونکہ ان میں کام کا کرنا یا کسی چیز سے مطابقت ہونے کا مکمل مفہوم ملتا ہے۔

اس طرح کی مثالوں سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ قواعدی مطالعے میں اجزائے کلام کی معنی کے اعتبار سے تعریف کرنا غیر متعلق امور کی مداخلت کی ایک اور مثال ہے۔ اس طرح صرف اجزائے کلام ہی متاثر نہیں ہوتے۔ اس روشنی میں جملے کی روایتی تعریفوں پر غور کیجیے: "ایک جملہ ایک مکمل خیال کو ظاہر کرتا ہے" یہ معلومات مشکل سے ہی کسی نئی زبان کو سیکھنے والے طالب علم کے لیے مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ (یعنی جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس زبان میں جملے کس طرح استعمال ہوتے ہیں۔) یہ تعریف طالب علم کو بس اتنا بتاتی ہے کہ جملے خیال کا اظہار کرتے ہیں اور یہ اظہار اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے خواہ جملوں کی نوعیت کچھ بھی ہو۔ غالباً ہر صورت میں یہ بات پہلے سے طالب علم کے علم میں ہوگی کیونکہ ہر زبان میں جملے یقینی طور پر کسی خیال کا اظہار ہی کرتے ہیں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ قواعد کے اصول زیر بحث فارموں کے معنی پر مبنی نہیں

ہونے چاہئیں (یہاں "فارموں" سے میری مراد زبان کا ہر وہ جزو ہے جس کو علیحدہ دیکھا جاسکتا ہے ؛ جیسے کوئی لفظ، ترکیب، جملہ یا ان میں سے کوئی ایک حصہ) بلکہ اس کی بنیاد اس بات پر ہونی چاہیے کہ یہ مختلف فارمیں مجموعی طور پر زبان کی دوسری فارموں کے ساتھ کس طرح عمل کرتی ہیں۔ اس سے ایسے مخصوص خاکے بنتے ہیں جن کے بارے میں پیشگی اندازے ممکن ہیں۔ فارموں کے مفہوم کی تعریف و تشریح سے متعلق سوالات کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کیا جاسکتا ہے جب تک ہمارے ذہن میں یہ بات صحیح طور پر واضح نہ ہوجائے کہ حقیقت میں فارمیں کیا ہیں۔

زبان کے بارے میں روایتی رویے کے لیے اکثر و بیشتر جس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے وہ "ہدایتی" (PRESCRIPTIVE) ہے۔ روایتی قواعد لکھنے والے خاص طور سے اس کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ ایسے اصول بنائے جائیں جو یہ بتا سکیں کہ لوگوں کو کس طرح بولنا یا لکھنا چاہیے۔ اس سلسلے میں ان کے سامنے کوئی ایسا معیار ہوتا ہے جس کو وہ عزیز رکھتے اور اس کی پیروی اہم سمجھتے ہیں۔ ان کو اس طرح کی باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ پہلے یہ معلوم کرلیا جائے کہ لوگ درحقیقت کس طرح زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ کسی زبان کے لیے اصول وضع کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس زبان کے حقائق کو بیان کیا جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زبان کے قدیم اور جدید نقطۂ ہائے نظر یعنی روایتی قواعد اور لسانیاتی مطالعے کے درمیان یہی فرق ہے جو مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید ماہرین لسانیات زبان کو اس طرح کی اپنی اصطلاحوں کے مطابق بیان

کرنے کی کوشش کرتے ہیں انھیں اپنے بیانات کو غیر صحت اور غلط غیر لسانیاتی معیاروں کے ساتھ وابستہ نہیں کرنا چاہیے۔ ایک ماہر لسانیات کو اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے کہ کسی زبان کی قواعد کا ماہر اس زبان کی قواعد وضع نہیں کرتا۔ ایک قواعد داں نہ تو ایسا کر سکتا ہے اور نہ اُسے ایسا کرنا چاہیے بلکہ اُسے اپنی کوششوں کو صرف ان چیزوں کو منضبط کرنے تک ہی محدود رکھنا چاہیے۔ جو پہلے سے موجود ہیں یعنی ایسے لوگوں کی زبان کا استعمال جو اُسے بولتے ہیں۔ اگر کوئی ماہر قواعد اپنی حدود سے تجاوز کرے گا تو اُسے ناکامی ہوگی۔ اس کے بنائے ہوئے قواعدی اُصول اکثریت کی بول چال کی زبان سے مختلف ہوں گے۔ لوگ انہیں لاشعوری طور پر اپنی روزمرّہ کی گفتگو میں نظر انداز کریں گے سچی بات تو یہ ہے کہ انگریزی زبان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آتی ہے۔ لوگ روزمرّہ کی گفتگو میں رواعتی قواعد کی کتابوں کی پیروی نہیں کرتے اور انہیں اس کا احساس بھی ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے جو لوگ اس تفریق کو دیکھتے ہیں وہ اس صورتِ حال سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ اکثر و بیشتر وہ خود یہ کوشش کرتے ہیں کہ قواعد کے مطابق بولیں اور اپنے بچّوں کو بھی یہی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ ان اصولوں کی پیروی کریں۔ جو برسوں پہلے کسی عالم نے غور و فکر کے بعد پیش کیے تھے۔ لیکن اب انگریزی زبان میں ایسے اُصول عام طور پر بے اثر اور بے وزن ہو چکے ہیں مگر وہ لوگ یہ بات نہیں مانتے کہ قواعد کے اعتبار سے پہلے ہی سے وہ صحیح زبان بول رہے ہیں اور یہ کہ خود ان کا طریقِ استعمال قدیم قواعد کے مقابلے میں زیادہ مستند اور بامحاورہ

ہے۔ روایتی قواعد کی کتابوں کا بتایا ہوا طریقِ استعمال اب مردہ اور بے جان ہو چکا ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ زبان ہمیشہ بدلتی رہتی ہے لیکن قواعد کی کتاب ایک دفعہ شائع ہونے کے بعد پھر نہیں بدلتی۔ لہٰذا قدرتی بات ہے کہ قواعد کی کتاب زمانے سے کم و بیش ہمیشہ ہی پیچھے رہتی ہے۔ وہ تمام کتابیں جن میں زبان کی موجودہ فارموں کا بیان ہوتا ہے چاہے تلفّظ ہو، قواعد ہو یا فرہنگ، اُن کے لیے ضروری ہے کہ چند سالوں کے بعد انہیں جدید تبدیلیوں کے مطابق ترتیب دیا جائے تاکہ وہ حقیقت سے دور نہ ہونے پائیں۔ اِسی طرح کی دلیل لغات کے استعمال کے سلسلے میں بھی دی جاسکتی ہے۔ ان کو اس لیے سند مان لینا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ الفاظ کو کس طرح استعمال کرنا چاہیے بلکہ ان لغات کو معلومات کا ایک ایسا ذریعہ سمجھنا چاہیے جن سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ الفاظ کس طرح استعمال کیے جاتے ہیں۔ "ہم، لغت نویس کو یہ بتاتے ہیں کہ اسے لغت میں کون سے الفاظ شامل کرنے چاہئیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ ہمیں مشورہ دے کہ ہم کیا استعمال کریں۔

ایک ماہرِ لسانیات کی نظر میں زبان کے دو طرح کے استعمال میں ایک "صحیح" اور دوسرا "غلط" نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف ایک دوسرے سے مختلف سمجھے جاتے ہیں۔ اُسے اپنے مطالعے میں دونوں ہی کو شامل کرنا چاہیے اور یہ فیصلہ دوسروں پر چھوڑ دینا چاہیے کہ سماجی اعتبار سے کن حالات میں کون سا استعمال زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیے جب ماہرِ لسانیات ایسے جملوں کا تقابلی جائزہ لیتا ہے کہ :-

THE MAN WHOM I SAW WAS YOUR UNCLE اور

THE MAN WHO I SAW WAS YOUR UNCLE

تو وہ یہ نہیں کہتا کہ یہاں "WHOM" کا استعمال "صحیح" اور "WHO" کا "غلط" ہے یا اس کے برعکس "WHO" صحیح اور "WHOM" غلط ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی انگریزی میں دونوں ہی مستعمل ہیں لیکن "WHOM" رسمی سیاقوں میں اور "WHO" عام بول چال کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اس سلسلے میں "صحیح" کی بہ نسبت "مناسب" کا لفظ استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ماہر لسانیات کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کی خود پسندی اور ان کی انا کی مرکزی خالص پسندی پر ضرب لگائے جن کی زبان کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اکثر چھاپ ہوتی ہے اور جن کی وجہ سے لوگوں کا وقت اور روپیہ دونوں ضائع ہوتے ہیں۔ اگر لوگ زبان کی تبدیلی اور اس سے مرتب ہونے والے اثرات سے پوری طرح واقف ہوتے تو شاید ان بے شمار مراسلات کی ضرورت نہ پڑتی جو زبان کے بارے میں روزانہ اخباروں یا ہفت وار جریدوں میں لکھے جاتے ہیں اور جن میں بی۔ بی۔ سی کے پروگرام نشر کرنے والے خاص طور سے تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ خطرناک حالات اس صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں جب نوکری دینے والے یا ممتحن اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کسی اُمیدوار سے اس لیے بدظن ہو جائیں کہ اس کا طرزِ تحریر یا اندازِ گفتگو یا زبان کے بارے میں اس کا رویہ ان کے اپنے معیاروں کے مطابق نہیں ہوتا۔ ایسے واقعات بھی ہوئے

ہیں کہ جب لوگوں کو محض ان کے تلفّظ یا لب و لہجے کی بنا پر نوکری سے برطرف کر دیا گیا ہے۔

اس قسم کے خطرات سے اب ماہرین زیادہ باخبر ہو گئے ہیں۔ اگرچہ یہ ہوشمندی تعلیم کے ہر شعبے میں پوری طرح نہیں آ سکی ہے۔ SECONDARY SCHOOLS EXAMINATION COUNCIL کی جانب سے DEPARTMENT OF EDUCATION AND SCIENCE کے لیے حال ہی میں جو مقالہ ؎ THE EXAMINING OF THE ENGLISH LANGUAGE کے عنوان سے چھپا ہے اس میں ایک بصیرت افروز بیان دیکھا جا سکتا ہے۔ انگریزی زبان کی ابتدائی سطح (ORDINARY LEVEL) کے امتحانات کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس میں کہا گیا ہے کہ "ان سوالات پر ہمارا ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ اُمیدواروں سے کسی مخصوص استعمال کے بارے میں سیاق و سباق کے بغیر اس کی صحت پر اکثر رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اُمیدواروں کو اس پر غور کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا کہ ان چیزوں کا استعمال کن حالات میں مناسب ہو سکتا ہے۔ یہ فرض کر لینا غلط ہے کہ ان سوالات کا محض ایک ہی صحیح جواب ہو سکتا ہے ..... امتحانات کو محض اس مفروضے کے تحت بھگتنا پڑتا ہے کہ "صحت" کا ایک آفاقی معیار ہے جس کا

؎ H.M.S.O 1964ء ناظم کی اجازت سے، CROWN کے جملہ حقوق محفوظ۔

اطلاق ہر قسم کے سیاق و سباق پر ہو سکتا ہے۔ ابھی تک امتحانات میں زبان کی مسلسل ترقی سے دلچسپی بہت کم نظر آتی ہے یا یہ کہنا چاہیے کہ ان میں اس حقیقت کا پورا احساس نہیں ملتا کہ اظہار کے مختلف حالات کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔" (صفحہ 13) اس مقالے کے لکھنے والے وقت کی ایسی زیادہ مقدار کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو ان سوالوں کے مطلوب جواب کی تیاری کے لیے درکار ہے جبکہ یہ تیاری ان کے اظہار کی صلاحیت کو بڑھانے میں زیادہ معاون نہیں ہوتی۔ اس بات سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ" اس پریشانی کی اصل وجہ یہ ہے کہ بہت سے اساتذہ اور ممتحن جن کا انتخاب مختلف درجے کے استادوں میں سے کیا جاتا ہے ابھی تک اس قسم کی تربیت یا مناسب تجربے سے محروم ہیں جو انگریزی زبان کے مطالعے کو باقاعدہ اور پُراثر بنانے کے لیے ضروری ہے اس لیے وہ ضرورت سے زیادہ سادہ اور گمراہ کن اُصولوں کا اطلاق کرتے ہیں۔" (صفحہ 13) یہ مقالہ بہت سی سفارشات کے ساتھ ختم ہوتا ہے جن میں سے آخری سفارش اس کتاب کے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے: "ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ لسانیات کے بعض بنیادی اُصولوں کے مطالعے کی بنیاد رکھی جائے جس میں انگریزی ایک مثالی زبان کی حیثیت رکھتی ہو۔" (صفحہ 30)

میں بھی یہی دیکھنا چاہتا ہوں لیکن اس باب سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ابھی اس کے لیے ماحول سازگار نہیں ہے۔ اس کام کے لیے ابھی بہت زیادہ زمین

ہموار کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ہمیں زبان کے بارے میں رائج بے جا اطمینان کو دُور کرنا ہوگا اور پھر لوگوں کو اس کا کوئی مناسب بدل مہیا کرنا ہوگا۔ اب ہمیں زبان کے مطالعے کے بارے میں اس متبادل رویے کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنی چاہیے جو ماہرینِ لسانیات پیش کرتے ہیں اور ان کی ابتدا زیادہ تعمیری ڈھنگ سے کرنی چاہیے۔

دوسرا باب

لسانیات کیا ہے

اب تک میں لسانیات کے بارے میں یہی سمجھاتا رہا ہوں کہ لسانیات کیا نہیں ہے، بدقسمتی سے اس کی وضاحت ناگزیر تھی۔ اس کوشش میں کئی موقعوں پر یہ حوالے بھی دینے پڑے کہ ماہر لسانیات کا کام کیا ہے؟ یہ بیان سودمند ہوسکتا ہے۔ پچھلے صفحات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ لسانیات کم سے کم دو کام ضرور انجام دیتی ہے، اوّل مقصود بالذّات خاص زبانوں کا ایسا مطالعہ جو ان کی مکمل اور صحیح توضیحات پیش کر سکے اور دوسرے زبانوں کا مطالعہ دیگر اغراض کے لیے کرنا تاکہ بحیثیتِ مجموعی زبان کی ماہیت سے متعلق معلومات فراہم ہوسکیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ماہر لسانیات ایک ایسا شخص ہے جو یہ بتاتا ہے کہ زبان کس طرح کا عمل کرتی ہے۔ جس کی وضاحت کے لیے وہ کسی مخصوص زبان کا مطالعہ کرتا ہے اور ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اس کا نقطۂ نظر معروضی (OBJECTIVE) رہے۔ ماہرِ لسانیات کا یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ وہ اس زبان اور زبانوں کی ماہیت کے بارے میں رائج غلط تصورات سے محفوظ رہ سکے۔ اس لیے اس کی خاص نتیجہ انسانی جماعت کی

بول چال پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس کی نظر میں تحریری مواد کی حیثیت ذیلی ہوتی ہے (بشرطیکہ وہ زبان کلاسیکی عبرانی کی طرح صرف تحریری زبان بن کر رہ گئی ہو۔) وہ زبان کو اپنی اصطلاحوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور ان باتوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا جن کا تعلق کسی دوسری زبان سے ہو۔ ماہرِ لسانیات کے پیشِ نظر زبان کے تمام اسالیب اور اس کے استعمال کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ وہ محض ادبی یا رسمی اسالیب تک محدود نہیں رہتا۔ ماہرِ لسانیات توضیحی لسانیات کے ایسے طریق کار کو اپناتا ہے جو زبان کی ماہیت سے مطابقت رکھتے ہوں۔ وہ انسانی علوم کے دوسرے طریقِ کار کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتا جیسے منطق، جمالیات یا ادبی خوبیوں کے معیار وغیرہ، جن کا استعمال خود وضاحت طلب ہے۔ اُس کے ذہن میں تاریخی اور غیر تاریخی معلومات کا فرق واضح ہوتا ہے۔ وہ ماضی کے استعمال کی غیر متعلّق باتوں کو شامل کرکے زبان کے کسی مخصوص عہد کے اپنے مطالعے کو برباد نہیں کرتا۔ وہ ہدایتی ہونے سے اپنا دامن بچاتا ہے۔ اس کے خیال میں زبان میں جو عمل ہوسکتے ہیں وہ ان کے بارے میں لاپرواہ اور تاثراتی فیصلے صادر کرنے سے گریز کرتا ہے۔ تحقیق کی جانے والی زبان کا مادری زبان والوں کے ذریعے استعمال ہی اس کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ ایسے مقصد کے لیے بنائے گئے لسانیاتی اُصولوں کی مدد سے وہ زبان پر اپنے مشاہدات کو مربوط اور منظم کرتا ہے۔ زبان کی ساخت کے سطحی پہلوؤں سے آگے جاکر وہ یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ کون سے ایسے حقیقی عوامل ہیں جو پیشِ نظر زبان پر اثرانداز ہوئے ہیں یا اس میں کارفرما ہیں۔ دلیل کے لیے کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ یہی دو

ہیں جو کسی کو "مکمل ماہرِ لسانیات" بناتے ہیں۔

یہ بات بآسانی کہی جا سکتی ہے کہ لسانیات کا علم سائن ٹی فک طریقے سے زبان کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس علم کا موضوع زبان ہے۔ اعلا العموم ایک زبان اور بالخصوص کئی زبانیں۔ اس تعریف میں "سائن ٹی فک" اور "زبان" دونوں لفظوں کی یہاں وضاحت ضروری ہے۔ پہلے لفظ "سائن ٹی فک" کو لیجیے۔ مطالعہ زبان کی تاریخ کے سرسری جائزے سے اس لفظ کی بہتر وضاحت ہو سکتی ہے۔ زبان کی ماہیت سے لوگ سالہا سال سے دلچسپی لیتے آئے ہیں۔ کسی بھی قوم کی قدیم ترین تاریخ کے مطالعہ سے زبان کی اہمیت کی شعوری یا غیر شعوری ہوشمندی کی شہادتیں ملیں گی۔ مثلاً اسے مختلف تہذیبوں کے ان قدیم نظریات میں دیکھا جا سکتا ہے جہاں تکلّم اور تحریر کے ماخذ کو جادو اور مذہب کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا۔ ہم انہیں زبان میں مختلف اقسام کے اسراری عوامل میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ زبان سے عالمانہ دلچسپی رکھنے کا عمل قدیم ترین عہد کی تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ زبان سے متعلق بنیادی مسائل کی بحثیں یونان اور روم کے قدیم عہدوں میں بھی پائی جاتی ہیں جن کا سلسلہ چوتھی صدی قبل مسیح میں افلاطون سے شروع ہو کر پری شین (PRICIAN) ویرو (VARRO) سی سرو (CICERO) اسٹوائکس (STOICS) اور ارسطو کی تحریروں تک جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جولیس سیزر (JULIUS CEASAR) نے بھی قواعد کے بارے میں تھوڑا بہت لکھا ہے۔ مذہب سے جڑی ہوئی ہندوستان کی قدیم ترین تہذیب میں بھی اس کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ یورپ میں قرونِ وسطیٰ کی تہذیب

۹ ویں اور ۱۰ ویں صدی کے نشاۃ ثانیہ کے پورے دور میں عربی کے متعدد عالموں کی تحریروں میں بھی ایسے خیالات ملتے ہیں اور یہ سلسلہ ۱۹ ویں صدی تک قائم رہتا ہے جہاں آکر زبان کا تاریخی مطالعہ ایک نیا موڑ اختیار کر لیتا ہے۔

اگرچہ اس پورے عہد میں زبان سے ایک گہری دلچسپی ملتی ہے اور جدید لسانیات نے اس دور کے مطالعے سے نہ صرف استفادہ کیا ہے بلکہ بہت کچھ مستعار بھی لیا ہے پھر بھی زبان کے اس قدیم مطالعے اور لسانیات کے موجودہ علم میں کئی اعتبار سے نمایاں اور بنیادی فرق ہے۔ سب سے بڑی تفریق تو یہ ہے کہ زبان کا قدیم علم "سائن ٹی فک" نہیں ہے یعنی اس میں وہ خصوصیات نہیں پائی جاتیں جو آج کے دور میں سائنس کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان خصوصیات کو جدید آلات اور تجریدی علامتوں تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ لسانیات میں بھی یہ خصوصیات بکثرت موجود ہیں جن کا ثبوت تقریر کے تجزیے اور ترکیب کے لیے ایجاد کیے گئے برقی آلات اور زبان کی بحثوں میں استعمال ہونے والی اس علامیات (SYMBOLOGY) سے مل سکتا ہے جسے دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ اسے الجبرا کی کسی درسی کتاب سے براہِ راست حاصل کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل یونی ورسٹی کے شعبۂ لسانیات میں کام کرنے والوں میں صرف انگریزی، کلاسیکیت اور جدید زبانوں کے لوگ ہی نہیں ہوتے بلکہ منطق، ریاضیات اور بجلی اِن جی نیئرنگ (ELECTRICAL ENGINEERING)

کے سند یافتہ بھی پائے جاتے ہیں لیکن یہ باتیں لسانیات کے سائنٹی فک ہونے کا نسبتاً ایک سطحی پہلو ہیں۔ یہاں یہ زیادہ اہم ہے کہ اس علم میں سائنٹی فک تکنیک (SCIENTIFIC TECHNIQUE) بالخصوص سائنٹی فک طریقِ کار پر زیادہ انحصار کیا جاتا ہے۔ کوئی مفروضہ قائم کرنے کے لیے پہلے سابقہ حقائق کا مشاہدہ کیا جاتا ہے پھر ان پر تجربات کی روشنی میں منظم تحقیق کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہی کسی نظریے کا وجود عمل میں آتا ہے۔ دوسرے علوم کی طرح جدید لسانیات کا بھی یہی طریقِ کار ہے۔ ایک اور خصوصیت جو لسانیات اور دوسرے علوم (SCIENCES) میں مشترک ہے، ٹھوس قسم کے نظریاتی اصولوں اور واضح وغیر متناقص اصطلاحات کا ہونا ہے۔ اس کے علاوہ پرانے زمانے میں لسانیات الگ سے کوئی چیز نہیں تھی بلکہ اسے بعض دوسرے علوم جیسے منطق (LOGIC) فنِ خطابت (RHETORIC) فلسفہ، تاریخ یا ادبی تنقید کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک شوقیہ مطالعے کا میدان تھا اور اکثر علماء غیر منظم اور غیر مدلّل طور پر زبان پر تحقیقی کام کیا کرتے تھے۔ محض ذاتی دلچسپی کی بنا پر زبان کے مختلف پہلوؤں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ اکثر بالکل غیر لسانیاتی نظریے کی تائید میں لسانیاتی مسائل کو ضرورت سے زیادہ طول دے دیا جاتا تھا۔ کئی زبردست اختلافی مسائل جو پہلے موضوعِ بحث بنے رہتے تھے، اب لسانیات میں ان کی قطعی کوئی جگہ نہیں ہے مثلاً اس پر بحث کرنا کہ سب سے پہلے انسان نے کس طرح زبان بنائی یا یہ کہ دنیا کی سب سے پہلی زبان کیا عبرانی تھی وغیرہ۔ بیسویں صدی میں زبان کے مطالعے کا بنیادی خاکہ سرے سے بدل گیا ہے اور نظریاتی رویّوں کی

یہی بنیادی تبدیلی ہے جو "سائن ٹی فک" اصطلاح میں پوشیدہ ہے۔

اب ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ زبان سے کیا مُراد ہے۔ اوپر لسانیات کی دی ہوئی تعریف میں یہ ناواقفیت کا دوسرا مسئلہ ہے۔ زبان کے سائن ٹی فک مطالعے کے ذیل میں کیا کیا باتیں آتی ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ایک جملے یا ایک پیراگراف میں نہیں دیا جا سکتا۔ اگرچہ عموماً لوگ زبان کے بارے میں اپنی بات کو چند لفظوں میں ختم کر دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی عام عادت ہے جس سے ہم اس غلط فہمی کا بآسانی شکار ہو سکتے ہیں کہ ہمیں زبان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ "جی ہاں، مَیں جانتا ہوں کہ زبان کیا ہے۔ کیا مَیں ہر وقت اس کا استعمال نہیں کرتا۔" یہ بھی سُننے میں آتا ہے کہ "کون نہیں جانتا کہ زبان کس کو کہتے ہیں۔ ایسے فضول سوالات پر ہنگامہ کرنے سے کیا فائدہ" لیکن ایسا کہنا اپنی ابتدائی تربیت سے دھوکا کھانا ہے استفسار کا یہ رویہ زبان سے آشنا ہونے کی بنا پر ہے۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ اپنی مادری زبان سیکھنے میں بھی ہم ایک ایسے طویل دور سے گزرے ہیں جو تجربے اور غلطیاں کر کے سیکھنے کا دَور تھا۔ دوسری مہارتوں (SKILLS) کی طرح زبان بھی خود بخود نہیں آجاتی۔ اس کا استعمال ہم کو سکھایا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ زبان سیکھنے کے بعد ہم اس کو خود بخود حاصل ہو جانے والی چیز سمجھ لیتے ہیں اور حاصل کرنے کے اس کے پورے عمل کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ احساس اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دوسرا ہمارے سامنے غلط لفظ استعمال کرتا ہے یا ہم خود زبان کا کوئی خلافِ معمول استعمال کرنا چاہتے ہیں یا

جب ہم ایسے بچّے کی اصلاح کرتے ہیں جس کی بول چال میں کوئی نقص ہو یا ہمیں کوئی نئی زبان سیکھنا ہو یا عام لوگوں کے مطالعے کے لیے ہمیں کچھ لکھنا ہو وغیرہ۔ یہی وہ مقام ہیں جہاں ہمیں اپنی اس سیکھی ہوئی زبان کی پیچیدگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے۔ دوسری مہارتوں کی طرح اس سے بھی ہم پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکتے کیونکہ خود لفظ زبان کے معنی میں ابہام پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آکسفورڈ انگلش ڈکشنری (OXFORD ENGLISH DICTIONARY) میں اس لفظ کے ایک درجن معنی ملتے ہیں جنہیں دیکھنا بھی ایک مسئلہ ہے۔ اس طرح ہم فوری طور پر یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ زبان کے بارے میں ہماری معلومات سطحی ہیں۔ جن میں بہت سی ایسی ہیں جو محض بصارت اور سماعت کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتا۔ سب لوگ لفظ 'زبان' سے ایک ہی مفہوم نہیں بلکہ مختلف معنی مراد لیتے ہیں اور یہی وہ تفریق ہے جو بعض اوقات بہت سی بحثوں کی بنا بنتی ہے۔

سیدھے سادے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان ایک پیچیدہ عمل ہے۔ چند عامیانہ بیانات کے ذریعے زبان کے مفہوم کا احاطہ کرنے کی کوشش اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔ دراصل زبان کے دو بنیادی پہلو ہوتے ہیں۔ ایک اس کا تفاعلی (FUNCTIONAL) پہلو ہے یعنی زبان کا ہمارے سماج میں استعمال اور دوسرے رسمی (FORMAL) جس میں زبان کی ساخت لی بناوٹ کا طریقہ آجاتا ہے۔ یہاں میں زبان کی تفاعلی یا رسمی تعریف پیش نہیں کروں گا کیونکہ اس طرح استعمال ہونے والی اصطلاحوں

کی اطمینان بخش تعریفوں کے لیے بہت طویل وقت درکار ہوگا۔ یہاں زبان کے صرف چند مرکزی یا بنیادی عناصر کی طرف اشارے کیے جائیں گے جنہیں ہر ایسے شخص کے ذہن میں محفوظ رہنا چاہیے جو سنجیدگی سے زبان کی تعریف مرتب کرنا چاہتا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ زبان کے تفاعل کے مطالعے میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں اور یہ کہ زبان کا اصل کام کیا ہے؟ ان باتوں کا جواب بالکل واضح ہے زبان انسان کے خیالات کی ترسیل کا سب سے زیادہ مستعمل اور ترقی یافتہ ذریعہ ہے۔ اس بیان کے مضمرات بہت دلچسپ ہیں۔ ترسیل کا مطلب ہے کہ کسی قسم کی معلومات کو دوسروں تک پہنچانا یا کسی مقصد کے تحت مرسل الیہ (RECEIVER) کو پیغام دینا۔ زبان میں مبدا ابلاغ (SOURCE) اور مرسل الیہ دونوں انسان ہوتے ہیں اور جو پیغام دیا جاتا ہے وہ یا تو ہوا کی لہروں کے ذریعے بول کر یا کاغذ وغیرہ پر تحریر کے ذریعے دوسروں تک پہنچایا جاتا ہے۔ زبان ترسیل کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان کے علاوہ ترسیل کے اور بھی ذرائع ہیں مگر ان کا تعلق لازمی طور پر انسانی رویے سے نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند مخصوص آوازیں جنہیں جانور اپنے دوسرے ہم جنسوں کے ساتھ ترسیل کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ زبان کی طرح یہ آوازیں بھی ترسیل کا ایک ذریعہ ہیں مگر جانوروں اور انسانوں کے ترسیل کے ذرائع میں بہت کم مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص مکھیوں یا چڑیوں کی آوازوں کو ان کی زبان کہنے پر مُصر ہے تو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں زبان کا مطلب مختلف ہے اور یہ لفظ

"زبان" کا کلیتاً تمثیلی استعمال ہے۔ ماہرِ لسانیات کے نزدیک زبان بنیادی طور پر ایک انسانی عمل ہے۔ وہ ترسیل کے استعاراتی مفہوم کو بھی زبان کا نام دینے سے ہچکچائے گا۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ موسیقار، دھن بنانے والے اور اُسے پیش کرنے والے کے درمیان ایک ترسیلی عمل ہوتا ہے اور یہ تینوں ایک ہی زبان استعمال کرتے رہیں تو یہ بات ماہرِ لسانیات کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگی۔

لیکن اگر ہم زبان کو انسانی خیالات کی ترسیل تک محدود کر دیں تب بھی لسانیات کے نقطۂ نظر سے یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ ہر انسانی اظہار "زبان" ہے۔ اگر ہم انسانی ترسیل کے تمام دوسرے ذرائع پر نظر ڈالیں تو بات خود بہ خود سمجھ میں آجائے گی۔ ہم اپنے خیالات کا اظہار منہ سے بھی کر سکتے ہیں اور چہرے کے کسی دوسرے حصّوں کے ذریعے بھی۔ بلکہ اپنی دیگر حسّیات کی مدد سے بھی ایسا کیا جا سکتا ہے۔ عموماً اظہارِ خیال کے لیے بصری (VISUAL) صوتی (VOCAL) یا سمعی (AUDITORY) حسّیات ہی کا استعمال ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اگر ہم دوسرے طریقوں سے کام لینا چاہیں تو ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔ بعض خفیہ جماعتوں میں محض چھو کر اپنی بات کو دوسرے تک پہنچانے کا طریقہ رائج ہے۔ کبھی ہمیں ایسے اشتہارات سے بھی سابقہ پڑتا ہے جس میں اپنی مصنوعات کی خوشبو سے کاغذ کو بسا دیا جاتا ہے لیکن جہاں تک انسانی خیالات کی ترسیل کا تعلق ہے وہاں بحیثیتِ مجموعی ذائقہ، لمس اور خوشبو کا استعمال بہت محدود ہے۔

بہرحال بصری نظام انسانی زندگی میں کافی صحت یافتہ ہے۔ چہرے کے تاثرات اور مختلف جسمانی اعضا کی حرکات جن سے ہم روزمرّہ کی زندگی میں کام لیتے ہیں:۔ مثلاً ہاتھوں کے اشارے، آنکھ مارنا، بھویں چلانا وغیرہ بھی ایسے عمل ہیں جن پر صرف ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوجائے گا کہ یہ حرکتیں ہمارے خیالات کا بڑے پیمانے پر اظہار کرتی ہیں۔ اکثر ہم ایک شخص کے بولنے کے مقابلے میں اس پر زیادہ توجہ دیتے ہیں کہ وہ کیسا لگتا ہے۔ عموماً ناول نگار اس قسم کے جملے استعمال کرتے ہیں کہ" اس کے چہرے سے مجھے پتہ چل گیا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا" یا"جو کچھ اس نے کہا اس کے مقابلے میں اصل چیز ان تاثرات کی ہے جو بولتے وقت اس کے چہرے سے نمایاں تھے"۔ ہم لوگ اس ابہام سے بھی واقف ہیں جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہنے یا سُننے والا سامنے نہ ہو، مثلاً ٹیلی فون کی گفتگو یا اتفاق سے ٹیلی وژن کی تصویر کا کچھ دیر کے لیے غائب ہوجانا وغیرہ۔ قوتِ باصرہ کی اس اہمیت کے باوجود انسانوں میں ترسیل کے بصری نظام کی ساخت کئی معنوں میں ویسی نہیں ہوتی جیسی صوتی نظام کی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس میں کسی قواعد کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس لیے ماہرِ لسانیات بھی اُسے زبان کا نام نہیں دیتا۔ وہ زبان کی اصطلاح کو انسانی ترسیل کے صرف صوتی نظام تک محدود رکھتا ہے اور بصری احساس کو صرف تحریر کی حد تک زبان میں شامل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ترسیل کے دوسرے بصری ذرائع سے مختلف ہے۔ اس میں زبان کو عموماً حرف بہ حرف اس کی اپنی شکل

میں کاغذ پر منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تمام جدید تحریری نظام تکلّم کو پوری طرح نقل کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں جو آوازوں کو حروف میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس طرح ہمارا پیغام زیادہ پائیدار ہو جاتا ہے۔ دوسری بصری علامتیں ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ آخر میں زبان کے علاوہ انسانی خیالات کی ترسیل کے دوسرے ذرائع سے بحث کرتے وقت ان آوازوں کا ذکر بھی ضروری ہے جن کو منہ کے بجائے دوسرے ذرائع سے ادا کر کے ترسیل کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ مثلاً انگلیوں کا کسی چیز پر بجانا۔ لیکن ماہر لسانیات ان کو بھی زبان کے مطالعے میں شامل نہیں کرے گا کیونکہ وہ اپنے زبان کے تصوّر کو زیادہ واضح اور قطعی بنانا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کچھ ایسی حدود ہیں جنہیں "زبان" کی اصطلاح کے لیے ضروری سمجھنا چاہیے۔ اب تک ہم زبان کو انسانی خیالات کی صوتی ترسیل کے نظام کی حیثیت سے یاد کرتے رہے ہیں لیکن یہاں بھی سب کچھ لسانیات کے ضمن میں نہیں آتا۔ بہت سی آوازیں یا آوازوں کی کیفیتیں ایسی ہیں جو منہ سے ادا ہونے کے باوجود لسانیات سے تعلق نہیں رکھتیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس طرح ہم ارادی طور پر کوئی پیغام دوسرے تک نہیں پہنچاتے۔ مثال کے طور پر چھینک، خرّاٹا یا سانس وغیرہ۔ یہ سب سُنائی دینے والی صوتی آوازیں ضرور ہیں لیکن یہ ویسا ترسیلی عمل نہیں رکھتیں جو اظہار کے لیے الفاظ یا جملوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر چھینک سے یہ بات دوسرے کے علم میں لائی جا سکتی ہے کہ ہمیں زکام ہو گیا ہے۔ مگر اس کو ہم ترسیلی عمل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ

اس میں نہ ہماری مرضی شامل ہے اور نہ اس پر ہمارا کوئی اختیار ہے۔ چھینک صرف ہماری ایک خاص جسمانی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے اور بس۔ اس کے برعکس الفاظ ہماری جسمانی کیفیت سے متعلق نہیں ہوتے۔ ہم بولنے اور نہ بولنے پر اختیار بھی رکھتے ہیں لیکن خرّاٹے یا سانس لینے میں یہ اختیار مفقود ہوتا ہے۔ لفظ کو ہر وقت بولا جا سکتا ہے چاہے ہم کسی بھی جسمانی صورتِ حال سے دوچار ہوں جبکہ ہم اپنی مرضی سے ہر وقت چھینک نہیں لے سکتے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اختیاری اور غیر ارادی طور پر حلق سے نکلنے والی ایسی تمام آوازیں جن کا کوئی رسمی مفہوم یا داخلی ساخت نہ ہو، زبان کے دائرے میں نہیں آتیں۔

یہاں ایک اور صوتی شکل کو جسے عام طور پر صوتی کیفیت (VOICE-QUALITY) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہمیں زبان کے دائرے سے خارج کرنا پڑے گا۔ بولتے وقت ہم اصل پیغام کے علاوہ ایک دوسری بات بھی سننے والے تک پہنچاتے ہیں۔ یہ عمل بالکل مختلف ہوتا ہے جس کا تعلق ہماری شخصیتوں سے ہے۔ جب بھی ہم بات کرتے ہیں اس میں ہماری انفرادیت کا اظہار بھی شامل ہوتا ہے۔ ہر شخص کی آواز میں کچھ ایسے عناصر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ بغیر دیکھے بھی پہچان لیا جاتا ہے۔ ان عناصر کی تفصیل سے وضاحت کرنا مشکل ہے لیکن اس کے باوجود ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عناصر ہمارے ملفوظ تکلّم کے دوسرے پہلوؤں سے الگ ہوتے ہیں۔ صوتی کیفیت ہماری بول چال کا نسبتاً مستقل عنصر

ہوتی ہے۔ یہ صرف عمر یا جسمانی تبدیلی کے ساتھ بدلتی ہے (مثلاً عمر کے ساتھ ساتھ ہمارے حلق کی آوازوں میں کھردرا پن پیدا ہونے لگتا ہے۔) یا جیسے نقالی (لوگ دوسروں کی صوتی کیفیت کی جان بوجھ کر نقل کرتے ہیں) وغیرہ۔ سماج میں استثنائی مثالیں بھی ملتی ہیں جنہیں کلیے کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ عام حالات میں لوگ اپنی صوتی کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ اُسے بدلنا پسند کرتے ہیں۔ جب تک کہ انہیں نقالی یا اداکاری سے پیشہ ورانہ حد تک دلچسپی نہ ہو۔ اسی طرح تحریر کو لیجیے جس میں ایک شخص کی لکھاوٹ ایسی ہوتی ہے جس کی مدد سے ہم اُسے پہچان لیتے ہیں۔ لکھاوٹ میں تبدیلی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ یہ صورتیں بھی استثنائی ہیں۔

صوتی کیفیت کو زبان کے دائرے سے خارج کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم لہجے یا بل (ACCENT) ہی کو نظر انداز کیے دے رہے ہیں۔ لہجہ زبان کے اندر ایک عمومی مظہر کی حیثیت رکھتا ہے جسے بولنے والے کے صوتی عناصر کی "مجموعیت" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس میں اس کی صوتی کیفیت بھی شامل ہے لیکن یہ چیزیں عام طور پر بولنے والے کے تلفظ کے غیر مزاجی عناصر تک محدود ہوتی ہیں۔ یہ وہ آوازیں ہیں جو بہت سے لوگوں میں مشترک ہوتی ہیں اور جن سے ان کے کسی مخصوص علاقے یا سماجی گروہ سے متعلق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ صوتی کیفیت ہمیں بتاتی ہے کہ کون بول رہا ہے اور لہجے یا بل سے پتہ چلتا ہے کہ

وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔

صوتی ترسیل کے مخصوص انفرادی پہلوؤں کو زبان نہیں کہا جاسکتا۔ ہم یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ زبان ایک اختیاری طرزِ عمل ہے جو کسی خاص بولی کے تمام بولنے والوں میں مختلف سطحوں پر مشترک ہوتا ہے۔ زبان کسی مخصوص انفرادی طرزِ بیان سے بالاتر ہے۔ جب تک ہم ایک یکساں صوتی روایت سے بنیادی طور پر منسلک نہیں ہونگے، ہم ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کر سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ دو شخص ہمیشہ یکساں طور پر نہیں بولتے لیکن ایک زبان کے بولنے والوں میں جو یکساں خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ اس فرق سے کہیں زیادہ وقیع ہیں۔ سماج اس کی اجازت نہیں دیتا کہ زبان میں ضرورت سے زیادہ انفرادی اُپج یا اختراعیت سے کام لیا جائے۔ جو شخص زبان کی مروجہ معیاری فارموں سے بہت زیادہ انحراف کرتا ہے اور اپنی زبان میں انفرادیت کو زیادہ جگہ دیتا ہے، اُسے یا تو ایک زبردست شاعر مان لیا جاتا ہے یا پھر اُسے چند ایسے محدود لوگوں میں شمار کر لیا جاتا ہے جس کی بول چال میں نقص ہے۔ اَن پڑھ غیر ملکی ہے یا کوئی مخبوط الحواس ہے۔

ہم نے زبان کے بنیادی تفاعل سے اپنی بات کی ابتدا کی تھی جس کی وضاحت کے ذیل میں زبان کے دوسرے کئی پہلوؤں اور عوامل کا بھی ذکر ہو گیا ہے۔ ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ زبان انسان کے ذریعے تلفّظ ہونے والی آوازوں کے استعمال (یا ان آوازوں کو تحریر میں حروف کے ذریعے پیش کرنے) کا نام ہے جسے کوئی

سماجی گروہ منظم اور رسمی طور پر خیالات کی ترسیل کے لیے استعمال کرتا ہے۔ کبھی کبھی زبان کو ترسیل کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ہتھوڑے سے انگلی کچل جانے پر زور سے سانس لینا یا لطف اندوز ہونے کے لیے منہ سے ایسی آوازیں نکالنا جو کانوں پر خوشگوار اثر ڈالتی ہوں یا کبھی تنہائی میں خود اپنے خیالات کو زبان سے دہرانا لیکن زبان کے استعمال کی یہ صورتیں ثانوی اہمیت کی حامل ہیں۔

اب ہمیں صوتی آواز (VOCAL NOISE) کی وضاحت کرنی چاہیے جس کا ذکر پچھلے پیراگراف میں آیا ہے۔ اس کے لیے ہمیں زبان کے تفاعلی پہلو سے ہٹ کر اس کے رسمی پہلو کی طرف آنا پڑے گا۔ یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ زبان کی ساخت کیا ہے؟ یہ ایسا سوال ہے جس نے مختلف ماہرینِ لسانیات میں زبردست اختلافی بحثوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ زبان کی ایک مخصوص ساخت ہوتی ہے اور اس ساخت کے متعدد عناصر ایسے ہیں جن کے بارے میں لوگ شاذ و نادر ہی بحث میں پڑتے ہیں۔ ان عناصر میں سے کسی ایک پر بحث کرنے کے لیے ضروری ہے کہ زبان کو صنّاعی کا ایک ایسا نمونہ تصوّر کر لیا جائے جس کو الگ الگ حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقی زندگی میں زبان کا استعمال کرتے وقت اس کے تمام اجزائے ترکیبی بیک وقت بروئے کار آتے ہیں اور ان میں خود بخود وحدت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جب اُس پر سوچا جاتا ہے تو یہ تجزیے کی حد تک ایک ناقابلِ

یقین پیچیدہ عمل معلوم ہونے لگتا ہے۔ زبان سے کوئی بھی مطلب اخذ کرنے کے لیے ہمیں اسے ٹکڑوں میں بانٹ کر باری باری ہر ایک کو جانچنا ہوگا۔ یہاں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ "تقسیم" ماہر لسانیات کی دی ہوئی ہے۔ زبان کی جانچ کا مطلب یہ ہے کہ زبان کا ایک ایسا نمونہ تیار کیا جا رہا ہے جس کی مدد سے ہم نہ صرف اس کی پوری وضاحت کر سکیں بلکہ اس کی تمام خصوصیات پر بھی روشنی ڈال سکیں۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی چیز کی ساخت کو ظاہر کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ جو خاکہ ہم پیش کر رہے ہیں، وہ واحد طریق کار نہیں ہے۔ کسی مضمون کی تعارفی کتاب سے اس طرح کا تاثر قائم ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔ لیکن اس طرح کی کتابوں میں گنجائش کی کمی اور وضاحت کی ضرورت کی خاطر ایک ہی نقطۂ نظر پر توجہ مرکوز کرنی پڑتی ہے۔ آج اس بات کا پورا خیال ہے کہ میرے نقطۂ نظر کو کسی وجہ سے حکمی اور ناقابل تردید نہ سمجھ لیا جائے۔ زبان کے بارے میں یہ صرف ایک نقطۂ نظر ہے جس کو میں نے اس مضمون کے پڑھانے میں کارآمد پایا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں زبان کا اس نقطۂ نظر سے مشاہدہ کرنا چاہیے کہ انسانوں میں اس کی صوت ادائیگی (ARTICULATION) کا اصل طریق کار کیا ہے۔ اور وہ کون سا طبعی مواد ہے جس سے زبان تشکیل پاتی ہے۔ اعضائے صوت (VOCAL - ORGANS) کا مطالعہ جن کی مدد سے ہم متکلم یا کلام کی بنیادی آوازوں کو ادا کرتے ہیں؛ آواز کی لہروں کا مطالعہ یعنی ہوا کا وہ عمل جس کے ذریعے ایک شخص کے بولے ہوئے

الفاظ دوسرے تک پہنچتے ہیں۔ نیز وہ طریقہ جس سے انسان آوازوں کا ادراک کرتا ہے، یہ تینوں چیزیں لسانیات کی اس اہم شاخ کے تین باہم مربوط پہلو ہیں جن کو صوتیات (PHONETICS) کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تینوں ایک دوسرے کے طابع ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوتیات انسان کی تکلیمی آوازوں کی ایک سائنس ہے۔ اس میں انسان کے منہ سے ادا ہونے والی آوازوں کی امتیازی خصوصیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خصوصاً ان آوازوں پر زیادہ توجّہ دی جاتی ہے۔ جو تمام دُنیا کی زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگوں کو اُن مختلف آوازوں میں فرق کرنا اور اُن کو پہچاننا سکھاتی ہے جو کسی بھی بولی جانے والی زبان میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ صوتیات اُن آوازوں کی ادائیگی بھی سکھاتی ہے۔ یہ علم آوازوں کی ادائیگی کے وقت زبان، ہونٹ اور دوسرے اعضائے صوت جس طرح عمل پیرا ہوتے ہیں ان کی نہ صرف تفصیل پیش کرتا ہے بلکہ ان کے مطالعے کی تربیت بھی دیتا ہے۔ اس میں آوازوں کی دوسری طبعی خصوصیات کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کے طریقوں کی تربیت دی جاتی ہے جس کے لیے مختلف آلات استعمال ہوتے ہیں، جیسے اوسیل گراف (OSCILLGRAPH) اور اِس پیک ٹوگراف (SPECTOGRAPH) وغیرہ۔ صوتیات کی یہ موخرالذکر صورت سمعی (ACCOUSTIC) صوتیات کہلاتی ہے۔ زبان کے صوتی عناصر کے مطالعے میں مہارت حاصل کرنے والا شخص ماہرِ صوتیات (PHONETICIAN) کہلاتا ہے۔

صوتیات میں کلام کی جس طرح وضاحت کی جاتی ہے، اس کی ایک مثال لیجیے۔

یہاں ہم ان چند آوازوں کو لیتے ہیں جو منہ کے بالکل سامنے کے حصے یعنی ہونٹوں اور دانتوں کی مدد سے تلفّظ ہوتی ہیں۔ کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن کی ادائیگی میں دونوں ہونٹ استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں دولبی (BILABIAL) کہتے ہیں۔ اگر ہم کسی زبان کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں دولبی (BILABIAL CONSONANTS) کی تین قسمیں ملیں گی جن کے تلفّظ کے طریقے میں فرق ہوگا۔ پہلی صورت میں دونوں ہونٹوں کو اس طرح سختی سے ایک دوسرے سے ملالیا جاتا ہے کہ پھیپھڑوں سے چل کر ہوا منہ میں بھر جاتی ہے اور پھر اس طرح ایک ساتھ چھوڑی جاتی ہے کہ پھٹنے کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسی آوازوں کو بندشی (PLOSIVE) کہا جاتا ہے۔ مثلاً (PIT) اور (BIT) میں حسب ترتیب [P] اور [b] آوازیں۔ لیکن ان دونوں آوازوں میں جو نمایاں فرق ہے اُسے بھی غور سے دیکھنا چاہیے۔ پہلی صورت میں ہونٹوں کو کس کر بند کر لیا جاتا ہے اور جب وہ کھلتے ہیں تو جھٹکے کے ساتھ ہوا باہر آتی ہے اور غشائی پردے (VOCAL CORDS) میں کوئی ارتعاش یا گونج پیدا نہیں ہوپاتی۔ دوسری صورت میں ہونٹوں کو نسبتاً ڈھیلا رکھا جاتا ہے۔ سانس نہیں چھوڑی جاتی اور غشائی پردے میں گونج پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے غیر مسموع اور مسموع (VOICELESS AND VOICED) کی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ (P) ایک غیر مسموع دولبی بندشی اور (b) مسموع دولبی بندشی دو الگ الگ مصمتے ہیں۔ صوتیات میں چوکور قوسین [ ] کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ ہم صرف بولی جانے والی آوازوں کی بات

کر رہے ہیں، روزانہ استعمال ہونے والے حروف تہجی کی نہیں۔ ہم نے اوپر کی مثالوں میں وہی نشانات استعمال کیے ہیں جو انگریزی علم ہجا (ORTHOGRAPHY) میں شامل ہیں لیکن آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔

صوت ادائیگی کی دوسری قسم وہ ہے جب ہونٹوں کو بندشی آوازوں کی ادائیگی کے عمل کی طرح کس کر بند کرلیا جاتا ہے اور ہوا منہ کے بجائے ناک سے مسلسل خارج ہوتی ہے۔ اس طرح انفی (NASAL) آواز تلفظ ہوتی ہے۔ یہ آواز غیرمسموع [m̥] بھی ہوسکتی ہے (جیسے ویلش (WELSH) میں لفظ mhen بمعنی میرا سر) اور مسموع [m] بھی (جیسے انگریزی لفظ mat میں m کی آواز) آوازوں کی تیسری قسم وہ ہے جہاں ہونٹ بند تو ہوتے ہیں مگر کس کر دبائے نہیں جاتے اور ان کے بیچ سے لگاتار سیٹی جیسی آواز نکلتی ہے۔ ان آوازوں کو صفیری (FRICATIVE) اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی ادائیگی کے وقت ایک رگڑ سی پیدا ہوتی ہے۔ ان دولبی صفیری آوازوں میں بھی مسموع اور غیرمسموع دونوں طرح کی آوازیں ہوسکتی ہیں۔ جنہیں عام طور پر بین الاقوامی صوتیاتی انجمن کی مقرر کردہ صوتیاتی طرز تحریر کے نظام کی (ɸ) اور (β) علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ جو حسب ترتیب غیرمسموع اور مسموع مصمتوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ مقدم الذکر کی جاپانی اور جرمن زبانوں اور موخرالذکر کی ہسپانوی زبان میں مثالیں ملتی ہیں۔

بندشی، انفی اور صفیری آوازیں منہ کے اُن دوسرے حصّوں سے بھی تلفظ کی جاسکتی

ہیں جن سے دیگر آوازیں ادا ہوتی ہیں اور جنہیں ہم فی الحال بیان نہیں کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم ان آوازوں کے حدود کا مطالعہ کریں جو نچلے ہونٹ اور اوپر کے دانتوں کو ملا کر ادا کی جاتی ہیں۔ (لب دندانی آوازیں = (LABIO-DENTALS) تو ہم کو مزید صفیری آوازوں کا پتہ چلے گا۔ (مثال کے طور پر انگریزی میں (FAT) اور (VAT) میں (f) اور (v) کی آوازیں) اسی طرح انفی آوازیں ہیں (جیسے (m) جو (COMFORT) لفظ میں تلفظ ہوئی ہے۔ (m) مصمتہ (f) کے ساتھ آنے کی وجہ سے اپنا مخرج کسی قدر بدل لیتا ہے۔) اگر ہم ان آوازوں پر غور کریں جو زبان کے دانتوں کے ربط میں آنے کی وجہ سے تلفظ ہوئی ہیں (دندانی آوازیں) تو ہم انہیں بندشی (PLOSIVE) آوازیں (ṭ) اور (ḍ) کی شکل میں پائیں گے جو فرانسیسی زبان میں ملتی ہیں (یہ آوازیں انگریزی کی (t) اور (d) سے قدرے مختلف ہیں کیونکہ انگریزی میں یہ نوکِ زبان کے دانتوں کے بجائے اوپری مسوڑھے کے پچھلے حصے سے مل کر ادا ہوتی ہیں۔) صفیری آوازوں [θ] اور (ð) کی مثالیں ہمیں انگریزی زبان میں حسب ترتیب (thin) اور (this) میں دیکھنے کو مل جائیں گی۔ ان تمام آوازوں کے درمیان امتیاز کرنا بہت آسان ہے کیونکہ ان کی ادائیگی میں اعضائے صوت کے مختلف عملوں کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر آئینہ سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو ہم بڑی حد تک یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ دونوں کی ظاہری شکل میں کیا فرق ہے۔ جو آوازیں منہ کے پچھلے حصے سے ادا کی جاتی ہیں ان میں تفریق کرنا زیادہ مشکل ہے۔ ان آوازوں کی ادائیگی کے فرق کو محسوس کرنے کے لیے زیادہ مہارت اور

تربیت کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر یہ امر ہمارے لیے باعثِ حیرت ہے کہ انگریزی الفاظ keep اور car کے شروع کے مصمتوں کی طریقِ ادائیگی اور مخارج مختلف ہیں۔ (k) کو ادا کرتے وقت زبان تالو کے اگلے حصے سے جا کر ملتی ہے جبکہ (c) میں زبان نسبتاً تالو کے پچھلے حصے کو چھوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آوازیں ایسی ہیں جن کی ادائیگی کے فرق کو محسوس کرنا مشکل ہے۔

انسان کے ذریعے تلفّظ کی جانے والی تمام آوازوں کا بیان یہاں بے محل ہوگا۔ جو شخص تفصیلی مطالعے سے دلچسپی رکھتا ہو وہ مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کتابوں کو پڑھ سکتا ہے جن کا ذکر ضمیمہ الف میں آیا ہے۔ اب تک کی بحث سے یہ بات کافی حد تک واضح ہوگئی ہوگی کہ صوتیات وہ علم ہے جو ہمیں وضاحت اور باقاعدگی کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ بولتے وقت منہ میں (جس کی مثالیں اوپر کلامی صوتیاتی تجزیے کے تحت دی گئی ہیں) یا ہوا میں (سمعی صوتیات کے تحت) یا کان میں (سماعی صوتیات کے تحت) کیا عمل ہوتا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ صوتیات کے اہم فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام تکلمی آوازوں کے لیے تحریری اظہار کا طریقہ ایجاد کرتی ہے جس کو صوتیاتی تحریر (PHONETIC TRANSCRIPTION) کہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بولتے وقت جو کچھ بھی تلفّظ کیا جاتا ہے اس کا ایک ایسا مستقل ریکارڈ رکھا جا سکے جس میں کسی ابہام کی گنجائش نہ ہو۔ ہماری روایتی حروفِ تہجی جن کو ہم روزمرّہ کی زندگی میں استعمال کرتے ہیں، اس کام کو پوری صحت کے ساتھ انجام نہیں دے سکتی کیونکہ انگریزی میں

حروف کی صرف چھبیس بنیادی قسمیں ہیں جبکہ بنیادی آوازیں چالیس سے زیادہ ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ انگریزی اس پیچیدہ صورتِ حال پر کس طرح قابو پاتی ہے۔ اس میں ایک ہی حرف یا حرفوں کو مختلف آوازوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟ جیسے OUGH جوڑ مختلف طرح سے تلفّظ ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف ہجّوں سے ایک آواز لکھی بھی جاتی ہے مثال کے طور پر ان الفاظ کو دیکھیے: WOMEN، VILLAGE، BUSY، ENOUGH اور SIT وغیرہ۔ یہاں ایک مصوتہ (i) کئی طرح سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ (ایک آواز کے لیے کئی حروف کا استعمال) کفالت کے بھی منافی ہے اور مبہم بھی۔ حروف کو دیکھ کر کوئی شخص صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ان کا تلفّظ کیا ہوگا یا اس کے برعکس کسی تلفّظ کو ادا کرنے میں کون سے حروف استعمال ہوں گے۔ اس اعتبار سے انگریزی خاص طور پر مشکل ہے کیونکہ اس میں ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں؟ مثلاً BOUGH، BOW (کشتی کا کوئی حصہ یا سر جھکانا) اور BOW (بمعنی ہتیار یا گرہ) اس مثال میں دوسرا لفظ دیکھنے میں تیسرے کے مماثل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں تلفّظ کے اعتبار سے وہ لفظ پہلے کے مماثل ہے۔ اکثر دوسری زبانوں میں حروف اور آوازوں کے درمیان مطابقت ملتی ہے مثلاً انگریزی کے مقابلے میں فنّی (FINNISH) یا ہسپانوی زبانیں۔ لیکن بعض زبانوں میں یہ نظام اور بھی خراب ہے جیسے کہ آئرش اور گیلک (GAELIC) زبانیں۔ بہرحال یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ ہمیں ایسے حروفِ تہجّی درکار ہوں گے جو اوپر بیان کیے گئے مقصد کے لیے وضع کیے گئے ہوں۔ صوتیات جن

باتوں کی تربیت دینی ہے ان میں سے ایک اہم بات یہ بھی ہے۔

اس مخصوص طرزِ تحریر کی ایجاد کی ایک وجہ اور ہے۔ بعض اوقات ہم اُس فرق کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو مختلف لوگوں کے ایک ہی لفظ کے تلفّظ میں ہوتا ہے۔ کسی زبان کی بولیوں (DIALECTS) کا مقابلہ کرنے میں یہ ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اگر ہم یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ ویلش کے مقابلے میں کاکنی میں " NO " کا تلفّظ کس طرح کیا جاتا ہے تو روایتی حروفِ تہجّی اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتی کیونکہ پڑھے لکھے لوگ خواہ وہ کسی علاقے کے رہنے والے ہوں، اس لفظ کے ہجّے اور تلفّظ میں بڑا فرق ہونے کے باوجود یکساں طور پر کریں گے۔ صوتی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے ہمیں نئے "ہجّے" ایجاد کرنے چاہیئے۔ اس طرح ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ "NO" کے کاکنی تلفّظ میں زبان منہ کے اگلے حصّے میں نیچے سے اوپر اُٹھ کر پیچھے کی طرف حرکت کرتی ہے اس لیے کاکنی میں اِسے (:nO) کی شکل میں لکھا جائے گا جبکہ ویلش کے تلفّظ میں زبان منہ کے پچھلے حصّے میں اوپر کی طرف اٹھ کر ایک مقام پر ٹھہر جاتی ہے اس لیے اس لفظ کا صحیح تلفّظ تحریر میں (no) لکھا جائے گا (یہاں (:) سے مراد مصوتے کی ادائیگی میں طول (DURATION) کا ہونا ہے۔) دوسرے فرق بھی اسی طرح پیش کیے جا سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صوتیاتی تحریر میں لکھے گئے جملے دیکھنے میں بڑے عجیب نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر (JAME'S GETTING RAISE NEXT-WEEK) کو ہم اس طرح لکھیں گے:

(dʒImz gɛtIŋ ə raIz nɛks wi:k)

اکثر لوگ صوتیات کے اس اجنبی روپ سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر وہ یہ سوچیں کہ اس صوتیاتی تحریر کے ذریعے کیا فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور اُسے اس حد تک لے جانا کیوں ضروری ہے تو یہ اجنبیت بہت ہی معمولی نظر آئے گی۔ اس طرح اس کی مہارت حاصل کرنے میں جو دقّت اُٹھانی پڑتی ہے وہ بھی تکلیف دہ نہیں معلوم ہوگی۔

آخر میں ہمیں اس فرق کو بھی واضح کر دینا چاہیے جو صوتیات کے مدرّس اور نطاقی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس طرف ہم پچھلے صفحات میں اشارہ بھی کر چکے ہیں۔ ایک نطاقی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی تکلّم (SPEECH) کو محض معیار کے مطابق بنا دے۔ اس کے برخلاف ایک ماہر صوتیات اس بات کی قطعی کوشش نہیں کرتا کہ لوگوں کو انکی مادری زبان کے استعمال کے مختلف صوتی طریقے سکھائے بلکہ وہ ہر شخص کے بولنے کے طریقے جیسے اور جو کچھ بھی ہیں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آوازوں کا مطالعہ ہی اس کے لیے مقصود بالذات ہوتا ہے اور وہ اس سے کوئی جمالیاتی یا سماجی مقصد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس لیے صوتیات بنیادی طور پر ایک توضیحی اور تجزیاتی علم ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایک عمومی علم بھی ہے۔ اس میں کسی ایک زبان یا مخصوص زبانوں کے گروہ کی آوازوں کا ہی مطالعہ نہیں کیا جاتا بلکہ تمام انسانی آوازوں کی خصوصیات کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے خواہ وہ کسی بھی زبان سے تعلق رکھتی ہوں۔ لسانیات کی اس شاخ کو عمومی صوتیات (GENERAL PHONETICS) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لیکن زبان کو ہم صرف انسانی آوازوں کا ایک غیر منظّم یا بے ہنگم اظہار نہیں کہہ سکتے ورنہ وہ بچّوں کے منہ سے نکلنے والی بے تکی آوازوں کی طرح ہوکر رہ جائے گی۔ اُس سلسلے میں یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ آوازوں کی ایک مخصوص تنظیم یا مخصوص سانچوں میں ڈھلی ہوئی آوازوں کا نام زبان ہے۔ ایک انسان جتنی آوازیں منہ سے نکال سکتا ہے ان میں سے چند ہی آوازیں زبان کے دائرے میں آتی ہیں۔ ہم ان ہی آوازوں کا حوالہ دیتے ہیں جو کسی زبان میں شامل ہوتی ہیں۔ وہ نمونہ جس کے مطابق زبان کی آوازوں کو ترتیب دیا جاتا ہے اس زبان کا صوتی نظام (SOUND SYSTEM) کہلاتا ہے۔ اس نظام کے مطالعے کو فونیمیات (PHONOLOGY) کہتے ہیں۔ صوتیات اور فونیمیات میں یہ فرق ہے کہ صوتیات میں صرف آوازوں کا عمومی مطالعہ ہوتا ہے جو کسی ایک زبان تک محدود نہیں ہوتا جبکہ فونیمیات میں ایک خاص زبان کو لے کر اس کی مخصوص آوازوں کا ہی مطالعہ کیا جاتا ہے اس مطالعے میں آوازوں کے تفاعل کا بیان بھی شامل ہے۔ یہ علم الفاظ اور الفاظ کے مجموعوں کی پہچان بتاتا ہے اور معنی کے اعتبار سے انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم انگریزی کے مصوتی نظام (VOWEL SYSTEM) یا جرمن کے مصمتی آوازوں (CONSONANTAL SOUND) یا عربی کے سُر لہر (INTONATION) پر گفتگو کرتے ہیں تو گویا ہم فونیمیاتی (PHONOLOGICAL) اقوال کی بات کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب ہم "عمومی طور پر دولبی مصمتوں (BILABIAL CONSONANTS) کا ذکر کرتے ہیں یا "گفتگو میں رکن نغمگی

(MELODY) کی فطرت یا سُر (PITCH) کی حرکت" کو بیان کرتے ہیں تو یہ بنیادی طور پر صوتیاتی بیان کہلائے گا۔ صوتیات اور فونیمیات کا یہ فرق نظریاتی طور پر بہت اہم ہے تاہم ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عملاً جب کسی زبان کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو ہم صوتیات اور فونیمیات دونوں کو کام میں لاتے ہیں اور کبھی پہلے اور کبھی دوسرے نقطۂ نظر سے بحث کرتے ہیں۔

اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے چند آوازیں لیجیے۔ جو انگریزی میں دونوں طرح استعمال ہوتی ہیں۔ پہلے ہم دو آوازوں کو لیتے ہیں۔ جو صوتیاتی نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہیں لیکن فونیمیات کے اعتبار سے ایک ہی بنیادی کلیّت کے اظہار کے دو الگ الگ طریقے ہیں۔ (فونیمیاتی عناصر کو دو ترچھی لکیروں (//) کے درمیان لکھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ ایک خاص لسانیاتی نظام کے کسی حصے کا عمل ہے۔) (LEEP) "اور" (PEEL) " میں /L/ کی آواز انگریزی کی اکثر بولیوں میں مختلف طرح سے تلفّظ کی جاتی ہے۔ کبھی اسے "صاف" (L) کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے جہاں زبان کا ایک حصّہ یعنی نوکِ زبان اوپری دانتوں کے پچھلے مسوڑھوں سے جا کر ملتی ہے اور ساتھ ہی زبان کا دوسرا حصّہ اوپر اُٹھ کر سخت تالو کے اگلے حصّے کے قریب آجاتا ہے۔ اگر ہم لفظ " LEEP " کو بہت آہستگی کے ساتھ ادا کریں اور (L) پر زیادہ دیر رکیں تو اس تلفّظ کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ (اس آواز کی ادائیگی کے وقت زبان کی جو حالت ہوتی ہے اُسے زیادہ بہتر طریقے پر محسوس کرنے کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے

کہ ہم منہ میں اندر کی طرف تیزی سے سانس کھینچیں اور زبان کو اسی حالت میں رہنے دیں۔ جب ٹھنڈی ہوا زبان پر سے گزرے گی تو ہم پوری طرح محسوس کر سکیں گے کہ زبان اور منہ کا کون سا حصّہ اس آواز کی ادائیگی میں مصروفِ عمل ہے اور اس وقت زبان کس جگہ ہے۔ (ل) کی دوسری قسم وہ ہے جس کی ادائیگی میں زبان بالکل مختلف عمل کرتی ہے۔ ایسے (ل) کو کبھی کبھی زیادہ "گہرا" کہا جاتا ہے اور تحریر میں قدرے مختلف علامت کی مدد سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ [ل] کی اس قسم کے تلفّظ میں زبان کے مختلف حصّے کام کرتے ہیں یعنی نوکِ زبان اوپری دانتوں کے پیچھے جا کر رک جاتی ہے اور زبان کا جو حصّہ سخت تالو کے قریب پہنچ جاتا ہے وہ پہلی صورت کے مقابلے میں تقریباً ایک انچ پیچھے ہوتا ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ صوتیات کے اعتبار سے انگریزی میں [ل] کی دو مختلف شکلیں ہیں۔ ایک بار سن کر اس فرق کا اندازہ لگا لینے سے ان میں امتیاز کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہو جائے گا۔

ان آوازوں کو اگر فونیمیات کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہم ایک دوسرے نتیجے پر پہنچیں گے۔ یہ دونوں آوازیں بنیادی طور پر یکساں معلوم ہوں گی۔ ان کا کام بھی ایک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کی تنظیم میں ان دونوں کا تفاعل بالکل یکساں ہے۔ یعنی مختلف تلفّظ رکھنے کے باوجود بھی ترسیل اور جہاں تک لفظ و معنی میں امتیاز کا تعلّق ہے یہ آوازیں ایک ہی کام کر رہی ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ [ل] کے تلفّظ میں یہ فرق بے سبب نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ہم پہلی حرکت میں "سادہ" [ل]

اور دوسری میں "گہرے" [ɫ] کا استعمال کرتے ہوں اور یہ عمل تلفظ کرتے وقت ہماری کیفیت پر منحصر ہو۔ دراصل ہم آوازوں کو استعمال کرتے وقت چند باتوں کے پابند ہوتے ہیں۔ اگر ہم سنجیدگی سے زبان کے الفاظ میں آوازوں کی تقسیم پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ پابندیاں تکمیلی نظام کی تشکیل کرتی ہیں۔ ہم مصوتے سے پہلے "سادہ" [l] کا استعمال کرتے ہیں اور "گہرا" [ɫ] لفظ کے آخر میں مصوتے کے بعد آتا ہے یا مصمتے سے پہلے بھی یہی شکل تلفظ ہوتی ہے۔ یہ تحقیق اس لیے بہت اہم ہے کہ اس سے ان دونوں آوازوں کے بارے میں مرکزی فونیمیاتی حقیقت کی یہ توجیہہ ہوجاتی ہے کہ آوازوں کے اس تضاد کی مدد سے ہم ایسے الفاظ وضع نہیں کرسکتے جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ مثلاً ان آوازوں کا استعمال [p] اور [t] جیسا نہیں ہوسکتا اگر ہم "cut" لفظ میں [p] کو [t] کا نعم البدل قرار دیں تو اس طرح دو مختلف لفظ وجود میں آئیں گے۔ جس سے یہ بات صاف ہوتی ہے کہ [p] اور [t] دو ایسی آوازیں ہیں جو انگریزی میں معنی کا فرق پیدا کرنے کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ لیکن کسی انگریزی لفظ میں "سادہ" [l] کو "گہرے" [ɫ] میں بدل دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق نہیں آئے گا البتہ ایک ہی لفظ کا لہجہ قدرے بگڑ جائے گا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک معنی یا خیال کے اظہار کا تعلق ہے /l/ کی دونوں صورتیں حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ صوتیات کے نقطۂ نظر سے دو آوازوں میں پائے جانے والا زبردست فرق فونیمیات کے اعتبار سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ محض ایک فونیمیاتی اکائی

(PHONOLOGICAL UNIT = PHONEME) ہے جو دو مختلف صورتیں رکھتی ہے۔ اس کی آواز کا انحصار لفظ میں پہلے یا بعد میں آنے والی آوازوں پر ہی ہوتا ہے۔

یہ مثال اس قول کی تصدیق کرتی ہے کہ فونیمیات کسی مخصوص زبان کے صوتی نظام کا مطالعہ کرتی ہے اور اس میں زبان کی فونیمیات کے بارے میں جو نتائج اخذ کیے جاتے ہیں وہ مجموعی نہیں ہوتے اور نہ ان کا اطلاق دوسری زبانوں پر ہو سکتا ہے۔ مثلاً انگریزی میں [L] کی جو متذکرہ بالا دو شکلیں ہیں ان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ دوسری تمام زبانوں میں بھی ان کا یہی عمل ہوگا۔ اس طرح ہمیں اپنی غلطی کا جلد احساس ہو سکتا ہے؟ مثلاً روسی زبان میں سادہ [l] اور گہرے [ł] میں صوتیاتی فرق کے علاوہ ایک فرق فونیمیاتی بھی ہے۔ روسی میں معنی کا فرق رکھنے والے الفاظ کے ایسے جوڑے ملتے ہیں جن میں محض ل۔ آوازوں کے استعمال کی وجہ سے صوتیاتی فرق پیدا ہوگیا ہے۔ مثلاً روسی میں HATCH (جہاں کا) اور ONION کے لیے حسب ترتیب " JJHOK " اور " JIYK " دو لفظ ہیں۔ ان میں پہلا سادے [l] سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے میں [L] کی شکل گہری ہے۔

صوتیات کی سطح پر تفریق کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جو فونیمیات کے اعتبار سے بالکل غیر اہم ہیں۔ پچھلے صفحات میں ہم " KEEP " اور " CAR " کی ابتدائی آوازوں کے صوتیاتی فرق کی وضاحت کر چکے ہیں۔ ان آوازوں میں وہی فونیمیاتی

رشتہ ہے جو انگریزی کے سادہ [l] اور گھرے [ɫ] میں ہے۔ اس کی ایک اور مثال PIN اور " SPIN " میں [p] کی آوازوں کے فرق میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں پہلی [p] کی آواز بندشی ہونے کے علاوہ ہاکاری عنصر کے ساتھ تلفّظ ہوتی ہے جب کہ دوسرے /p/ میں ایسا نہیں ہوتا۔ (اگر ہم اپنے ہاتھ کی پشت کو ہونٹوں کے قریب لاکر ان آوازوں کو ادا کریں تو اس فرق کو واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔) یا "TAKE" اور "STAKE" میں [t] آوازوں کو لیجیے۔ پہلے لفظ میں [t] ہاکاری عنصر کے ساتھ تلفّظ ہو رہا ہے جبکہ دوسرے لفظ میں ایسا نہیں ہے۔ لفظ "OUT POST" کا [t] اکثر بولیوں میں بندشی صورت میں بغیر ہاکاری عنصر کے تلفّظ ہوتا ہے کیونکہ لفظ میں [t] کے بعد کی [p] آواز اس پر "حاوی" آجاتی ہے۔

کسی زبان کی آوازوں میں پائے جانے والے ایسے تمام تغیّرات کا احاطہ کرنا اور یہ فیصلہ کرنا کہ کون سی تبدیلیاں معنی میں تفریق پیدا کرتی ہیں اور کون سی نہیں۔ ظاہر ہے یہ ایک پیچیدہ کام ہے لیکن اس کام کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم ان اُصولوں سے واقف نہیں ہیں۔ تو جو آوازیں ہم بولتے اور اپنے چاروں طرف سنتے ہیں، ان کے غیر منظّم انبار پر کسی اُصول کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ اس طرح ہم بآسانی ان غیر اہم موہوم تغیّرات کو نظر انداز کر سکتے ہیں جو مختلف آوازوں کے ہمارے کئی تلفّظات کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ اس بات کو بغیر کسی پریشانی کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً [t] مصمتے کا جو تلفّظ میں کرتا ہوں وہ دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں

یہ قطعی ناممکن ہے کہ میں [t] کو اس کی تمام صوتی نزاکتوں اور لطافتوں کے ساتھ دو بارہ یکساں طور پر تلفظ کر سکوں۔ اگر کوئی ان تمام تغیرات کو پیش نظر رکھے جو مجھ سے [t] کو دوبار تلفظ کرنے میں سرزد ہوئے ہیں تو اس پر یقین کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ مجھے اپنی زبان کو دانتوں کے پیچھے یکساں حالت میں رکھنا چاہیے۔ یکساں رفتار سے زبان کو دانتوں سے الگ ہٹانا چاہیے اور پھیپھڑوں میں ہوا کا دباؤ بالکل پہلی طرح قائم رہنا چاہیے وغیرہ۔ ان چیزوں میں معمولی سی تبدیلی آواز کی کیفیت میں فرق لا سکتی ہے جس کو سننا مشکل یا یوں کہیے کہ ناممکن ہو سکتا ہے لیکن جیسے سمعی تجزیے (ACCOUSTIC ANALYSIS) کی تیکنیک کی مدد سے واضح طور پر ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اس پر غور کریں کہ دو شخصوں کے اعضائے صوت کا یکساں اور برابر ہونا غیر یقینی ہے اور اسی لیے ان کے تلفظ کا یکساں ہونا بھی ناممکن ہے تو حیرت اس بات پر ہوگی کہ کیا ہم ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کرتے ہیں! لیکن اُلجھن پیدا کرنے والے ان تمام عوامل کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اکثر لوگ اپنے اردگرد سُنائی دینے والی آوازوں کو پہچان لیتے ہیں اور ان میں بہت اچھی طرح اور باقاعدہ امتیاز کر لیتے ہیں۔ [t] کی آواز بہرحال [t] کی آواز ہی رہتی ہے بلا تفریق اس کے کہ اُسے کوئی تلفظ کر رہا ہے یا کہاں بول رہا ہے اور ہم اُسے [p] یا [k] یا کسی اور آواز کے بجائے [t] ہی کی شکل میں پہچانتے ہیں اور اس کی ادائیگی میں جو باریک سے صوتیاتی اختلافات ہوتے ہیں انہیں خود بخود نظرانداز کر دیتے ہیں۔ فونیمیات حقیقت میں اس مطالعے کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس

میں زبان ہمیں یہ اجازت دیتی ہے کہ ہم اس پھیلے ہوئے پیچیدہ کام کو غیر شعوری سہولت کے ساتھ جاری رکھیں۔

فونیمیات کا یہ تصورِ زبان کے اُس تیسرے پہلو کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے جسے دوسرے پہلوؤں سے الگ رکھنا ضروری ہے۔ اگر فونیمیات کو زبان کی "منظم آوازوں" کا علم مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آوازیں کس شکل میں منظم کی جاتی ہیں؟ اس سوال کا جانا پہچانا جواب یہ ہوگا کہ لفظوں، محاوروں، فقروں، کلموں اور جملوں وغیرہ کی شکل میں جسے عام طور پر ہم قواعد اور لفظیات کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ ان دونوں اصطلاحوں پر باری باری بحث کرنا ضروری ہے۔ آجکل قواعد کو لسانیات کا مرکزی جز قرار دیا جاتا ہے۔ (بلکہ بعض عالم تو قواعد ہی کو لسانیات مانتے ہیں۔) کسی زبان کی قواعد کا مطالعہ کرنے میں ایک ماہرِ لسانیات کا کام یہ ہے کہ وہ اس بات کی تشریح کرے کہ اس میں جملوں کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ قواعد میں جملوں کے مختلف اجزا اور ان کے ایک دوسرے سے تعلق کو کاغذ پر لکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن قواعد کے مطالعے کو ایک تخلیقی کام سمجھنا چاہیے۔ محض فقروں کے نحوی تجزیے کا طریقِ کار سمجھنا ہی مناسب نہیں ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم لوگ قواعد سے یہی مراد لیتے ہیں۔ نحوی تجزیہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ ہم جملوں کو میکانکی طریقے سے مختلف اجزا میں بانٹ کر انہیں الگ الگ نام دے دیں۔ یہ ایک طرح کی لسانیاتی چیر پھاڑ ہے۔ ایک بار جب اجزا پر لیبل لگ جاتے ہیں تو بظاہر ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی کبھی کوئی وضاحت نہیں

کی جاتی کہ اِس طرح کے کام کا مقصد کیا ہے۔ (بلکہ ذہنی تربیت کا ایک ذریعہ یا ایسی ہی کوئی مبہم وجہ تراش لی جاتی ہے۔) کبھی کوئی اس کی بھی کوشش نہیں کرتا کہ ان ٹکڑوں کو پھر جملوں میں ملائے۔ حالانکہ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس سے ہم قواعد کو زیادہ تعمیری اور حقیقت سے زیادہ قریب کرسکتے ہیں۔ ماہرینِ لسانیات کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ پہلے کے مقابلے میں قواعد کو زبان کا ایک زندہ اور حقیقی جُز بنادیں۔ وہ قواعد کو انسانی ترسیل کا لازمی ذریعہ تصوّر کرتے ہیں اور اس کو ایک محرک قوّت گردانتے ہیں جس کی مدد سے ہم روزانہ کی زندگی میں سینکڑوں ایسے نئے جملے بولتے، سُنتے اور سمجھتے ہیں جن کو ہم نے پہلے کبھی نہیں سُنا۔ قواعد کو زبان کی پیچیدہ بناوٹ کے سمجھنے کا ایک ذریعہ ہونا چاہیے۔ اگر قواعد پر تخلیقی انداز سے نظر ڈالی جائے تو اس کی معنویت اور افادیت بہت بڑھ جائے گی۔ ماہرینِ لسانیات کے اس بدلے ہوئے رویے کی رو سے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ زبان میں جملوں کو کس طرح توڑا جاتا ہے بلکہ اہمیت اس کی ہے کہ جملے کس طرح بنتے ہیں۔ یہی بدلہ ہوا روّیہ ہے جو اس کی مخالفت کرتا ہے کہ ہم قواعد کو ایک ایسا علم سمجھ لیں جو صرف کتابوں میں محفوظ ہے۔ یہ ایک مُردہ نظریہ ہے۔ قواعد ایسی پیچیدہ چیز ہے کہ آج تک کوئی زبان یہ دعویٰ نہیں کرسکی کہ اس نے اپنی قواعد کو مکمل طور پر بیان کردیا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں زبان کی ان تبدیلیوں کو بھی مدِّنظر رکھنا چاہیئے، جن پر پچھلے صفحات میں بحث کی جاچکی ہے۔ قواعد کی کتابیں ہمیشہ متروک اور فسردہ ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ہم کسی قسم کی قواعد کی کتاب کے

تمام بیانات پر بھروسہ کریں اور زبان کے بارے میں اپنے تمام وجدانات کو ماضی کے کسی عالم کے احکامات کا پابند بنالیں تو یہ حقائق پر نظر ڈالنے کا بڑا بھونڈا طریقہ ہوگا.

ماہرِ قواعد کے کام کی لگن اور اس کی وسیع النظری کی شاید بہتر طور پر قدر کی جاسکتی ہے اگر ہم ان مسائل اور مشکلات پر بھی نظر ڈالیں جن سے قواعد کی ترتیب کے وقت وہ گزرتا ہے۔ قواعد داں کا بنیادی کام یہ ہے کہ زبان کے ان اصولوں کو دریافت کرے جن کے ذریعے ہم یہ پتا لگا سکیں کہ زبان کے کون سے جملے قواعدی کے مطابق ہیں اور قابلِ قبول بھی ہیں اور کون سے نہیں ہیں۔ اُسے یہ بھی واضح کرنا چاہیے کہ جملوں کے اجزا کیا ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے۔ مختصر یہ کہ اس طرح قواعد داں کو دو کام کرنے ہوتے ہیں۔ اوّل تو یہ بتانا کہ اُصول کون سے ہیں اور دوسرے انہیں سمجھانے کے لیے سادہ اور بامعنی طریقہ وضع کرنا۔ بعض اُصول تو بالکل واضح ہوتے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ مثلاً انگریزی کا یہ قاعدہ کہ حرفِ تعریف (ARTICLE) ہمیشہ اسم سے پہلے آتا ہے یا یہ کہ فعل ہمیشہ تعداد کے اعتبار سے فاعل کے مطابق ہوتا ہے یا بیانیہ جملوں میں مبتدا (SUBJECT) خبر (PREDICATE) سے پہلے آتا ہے وغیرہ۔ لیکن کچھ اُصول ایسے بھی ہوتے ہیں جو اتنے واضح نہیں ہوتے، مثلاً جملے میں تمیز (ADVERB) کا کیا مقام ہونا چاہیے یا کون کون سے افعال ایسے ہیں جن کی مفعولی (PASSIVE) حالت ممکن ہے یا یہ کہ صفات (ADJECTIVE) جملے میں کس ترتیب سے آسکتے ہیں۔

آیئے اس آخری نکتہ کو ذرا تفصیل سے دیکھیں۔ یہ ممکن ہے کہ ہم میں سے اکثر نے اس بات پر غور نہ کیا ہو کہ جب انگریزی میں اسم کے ساتھ کئی صفات آتی ہیں تو ہمیں یہ آزادی نہیں ہوتی کہ ہم اپنی مرضی سے انہیں جیسے چاہیں استعمال کریں۔ اس سلسلے میں ہم پابند ہیں کہ فلاں صفت کو فلاں سے پہلے آنا چاہیے۔ مگر ایسی پابندیاں ہر صفت پر یکساں طور پر لاگو نہیں ہوتیں (مثال کے طور پر IT WAS A PLEASANT COMFORTABLE SPOT وہ خوشگوار آرام دہ جگہ تھی) کے علاوہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "IT WAS COMFORTABLE PLEASANT SPOT" وہ آرام دہ خوشگوار جگہ تھی) وغیرہ۔ لیکن بہت سی صفتیں ایسی ہیں جن پر پابندیاں عائد ہوتی ہیں مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ "I CAN SEE A BROWN TALL CHIMNEY" (میں ایک بھوری لمبی چمنی دیکھ سکتا ہوں) یا * THERE IS A BLACK BIG SHEEP (وہاں ایک کالی بڑی بھیڑ ہے۔) (* کے نشان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بعد آنے والا جملہ قواعد کی رو سے غلط ہوگا۔) صفات کی یہ ترتیب قواعد کی رو سے قابلِ قبول نہیں ہے اس کی توجیع پیش کی جا سکتی ہے۔ ماہرینِ قواعد نے ان پابندیوں کی توجیع کے لیے صفات کو مختلف اقسام میں بانٹ دیا ہے اور ان کو ADJECTIVES OF AGE (صفاتِ زمانی) ADJECTIVES OF DIMENSION (صفاتِ جسامت) اور ADJECTIVE OF COLOUR (صفاتِ رنگ) وغیرہ جیسے نام دیئے ہیں اور جملوں کی ساخت کی بنیاد پر ایسے

وضع کیے ہیں جن کی رو سے جسامت کی صفات رنگوں کی صفات سے پہلے آنی چاہئیں لیکن ہر اصول میں بہت سے ظاہری استثنا بھی ہیں (جیسے I HAVE A PINK BIG TOE) یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص آج تک ایسے اصول وضع نہیں کر سکا جن کی بنیاد پر صفات کی کوئی مخصوص ترتیب دوسری تمام ترتیبوں سے زیادہ موزوں قرار دی جا سکے۔ ماہرِ قواعد ہماری معلومات میں اس طرح کی کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

زبان کے اُصول وضع کرنے میں کچھ دوسرے مسائل بھی سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر مبتدا اور خبر کے تعلق کو لیجیے جس کے بارے میں سب ہی جانتے ہیں کہ انگریزی میں اسم فعل سے پہلے آتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ "کوئی" بھی اسم "کسی" بھی خبر سے پہلے آسکتا ہے۔ ان کی باہم ترتیب میں چند اہم پابندیاں عاید ہوتی ہیں؟ مثلاً یہ جملے کہ (THE BOY IS EATING FISH) (لڑکا مچھلی کھا رہا ہے۔) اور "THE HORSE SLEEPS IN A STABLE" (گھوڑا اصطبل میں سوتا ہے) ہر لحاظ سے صحیح ہیں لیکن اس طرح کے جملے ...THE STONE EATS (پتھر کھاتا ہے۔) یا" ....THE CAR SLEEPS (کار سوتی ہے) بناوٹ کے اعتبار سے پہلے جملوں کے مماثل ہوتے ہوئے بھی نہ استعمال کیے جاتے ہیں اور نہ ہی قابلِ قبول ہو سکتے ہیں۔ یہاں اسما اور افعال کی ذیلی درجہ بندی کر کے انہیں دو حصّوں میں تقسیم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے یعنی جاندار (ANIMATE) اور بے جاندار (INANIMATE) اس طرح یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ جاندار اسما کے ساتھ جاندار

افعال اور بے جاندار کے ساتھ بے جاندار اسما و افعال ہی کا استعمال ہوتا ہے۔ قواعد میں عائد کی ہوئی رسمی پابندیوں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایسے اصول وضع کرنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اصول مقرر کرنے کا کام یہیں ختم نہیں ہوجاتا کیونکہ ایسی مثالیں بھی مل جاتی ہیں جہاں اصول اکثر جملوں میں عائد ہونے والی پابندیوں کی وضاحت میں درست اور معاون ہونے کے باوجود زبان کے ہر جملے پر لاگو نہیں ہوتے۔ اصول یہ نہیں سمجھا سکتے کہ اس قسم کے جملے پھر کیوں درست ہیں: MY CAR EATS UP PETROL (میری کار بہت پیٹرول کھاتی ہے) یا THIS HOTEL SLEEPS THIRTY PEOPLE (یہ ہوٹل تیس لوگوں کو سلاتا ہے) وغیرہ۔ اب یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ مبتدا اور خبر کا تعلق اتنا سادہ نہیں جتنا کہ پہلی نظر میں معلوم ہوتا ہے۔ ماہر قواعد کو اس امر کی وضاحت کرنی ہوتی ہے کہ ایسی مثالوں میں کون سا عمل کار فرما ہے اور اس استثنا کی بنیاد کن اصولوں پر ہے ماہر قواعد کے لیے محض لفظ استثنا کی آڑ لے کر یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ بعض چیزیں اصول کے مستثنات میں شامل ہوتی ہیں۔ اس طرح کوئی بات واضح نہیں ہوتی۔ استثنا کہہ کر قواعد داں کو معاملے کی تہہ میں جاتے ہوئے اس قاعدے کی وضاحت کرنی پڑتی ہے کہ اس کے پیچھے کون سا اصول کام کر رہا ہے اور عام فارموں پر کون سے اصول عائد ہوتے ہیں۔

ماہر قواعد کے سامنے ایک مسئلہ اور آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک جملے کے مختلف مطالب میں کس طرح فرق کیا جائے یا ایسے جملوں میں کس طرح تمیز کی جائے جو بظاہر یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر اس قسم کا کوئی علیحدہ جملہ لکھا ہوا ملے :

"GIANT WAVES DOWN FUNNEL"

(جیساکہ اکثر اخباروں کی سُرخیوں میں دکھائی دیتا ہے) تو ایک ماہرِ قواعد کے لیے صرف یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ "یہ ایک مبہم جملہ ہے" اس کے لیے یہ بتانا بھی ضروری ہوگا کہ جملے کے ابہام کی وجہ کیا ہے "GIANT" لفظ ایک صفت بھی ہو سکتا ہے اور واحد اسم بھی۔ اسی طرح لفظ "WAVES" اسم جمع بھی ہو سکتا ہے اور فعل کا واحد غائب صیغہ بھی۔ اب جملے میں چونکہ یہ وضاحت نہیں ہے۔ اس لیے اس میں ابہام ہے۔ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ اور دلچسپ مثالیں مِل سکتی ہیں؟ مثلاً اس جملے کے کثیر الجہتی ابہام کو دیکھیے۔ THE POLICE WERE ORDERED TO STOP DRINKING AFTER MID NIGHT یہاں الفاظ کی ایک ہی ترتیب سے چار مختلف معنی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ یہ ایسی مثالیں ہیں جن میں ایک ہی جملے سے کئی مختلف باتیں مراد لی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح جب ایک سے زیادہ جملوں کا مسئلہ ہوتا ہے اور جو سطحی طور پر یکساں نظر آتے ہیں تو ماہرِ قواعد کے لیے لازم ہے کہ ان کی ظاہری ہیئت پر فیصلہ کرنے میں احتیاط برتے اور اس فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ چونکہ یہ جملے سطحی طور پر یکساں نظر آتے ہیں لہٰذا ان کی بنیادی ساخت بھی ایک ہی ہے۔ مثلاً اس طرح کے جملوں کے معنوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی تہہ تک ہمیں پہنچنا چاہیے۔ اگر ہم ایسے جملوں کے جوڑوں کا مقابلہ کریں۔

"IT WAS RAINING CATS AND DOGS"

"HE WAS SELLING CATS AND DOGS"

"I CAME ACROSS THE ROAD ON A MAP"

اور "I CAME ACROSS THE ROAD ON A BICYCLE"

"I WAS KICKED BY A MAN"

اور "I WAS KICKED BY A BUS-STOP"

تو ان جملوں کی مشابہت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان جملوں میں معنی کا بنیادی فرق ہے۔ جن کو ہم محسوس تو فوراً کر لیتے ہیں مگر شاید ان کی وضاحت نہ کر سکیں۔ اوپر کی مثالوں میں پہلے جوڑے کو لیجیے۔ یہاں ہمارا صرف یہ جواب نہیں ہو سکتا کہ پہلا جملہ ایک "محاورہ ہے" اور دوسرا نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں یہ وضاحت کرنی چاہیے کہ محاورے سے کیا مراد ہے۔ اس طرح ہم دونوں جملوں کے مفہوم کو بھی واضح کر سکیں گے اور ان کی قواعد کے فرق کو بھی واضح کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم یہ بتائیں کہ پہلے جملے میں جو تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں وہ دوسرے میں ممکن نہیں ہیں۔ مثلاً ہم دوسرے جملے میں مفعول کو جمع سے واحد میں لا سکتے ہیں (جیسے HE WAS SELLING A CAT AND A DOG) لیکن دوسرے جملے میں ایسا نہیں کیا جا سکتا (IT WAS RAINING A CAT AND A DOG)* البتہ اس میں ہم صفات جوڑ سکتے ہیں (مثلاً HE WAS SELLING NICE CATS AND BIG DOGS اسی طرح دوسرے جملے میں ہم اسما کی ترتیب بدل سکتے ہیں۔ (مثلاً HE WAS SELLING DOGS AND CATS) لیکن پہلے جملے میں ایسا نہیں کر سکتے (مثلاً IT WAS RAINING DOGS AND CATS)* وغیرہ۔ ان

مثالوں کے ذریعے ہم دونوں جملوں کے درمیان قواعدی فرق کو واضح طور پر پیش کرسکتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے باہم مشابہ ملفوظات (UTTERANCES) پر بھی کام کیا جاسکتا ہے۔

اس لیے ماہرِ قواعد کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ بظاہر ایک جیسی ساخت رکھنے والے جملوں کے مابین بنیادی فرق کی طرف اشارہ کرے اور بظاہر مختلف نظر آنے والے جملوں کی بنیادی یکسانیت کو پیش کرے۔ مثال کے طور پر انگریزی میں معروف کے مقابلے میں مجہول جملوں میں بڑا فرق ہوتا ہے (جیسے THE MAN KICKED THE BALL اور THE BALL WAS KICKED BY A MAN لیکن یہاں یہ بتانا زیادہ اہم ہے کہ یہ دونوں جملے ایک دوسرے سے قابلِ شناخت حد تک متعلق ہیں اور ایک سے دوسرا جملہ بنانا کتنا آسان ہے۔ اسی طرح سوالیہ اور موصولہ جملوں میں جو تعلق ہے وہ اگرچہ اتنا واضح نہیں ہوتا مگر اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان جملوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیجیے: "THE MAN WHO SAW YOU IS....." اور "WHO SAW YOU ?" مختصر یہ کہ اس طرح مختلف جملوں کی اقسام کے درمیان جو باہمی ربط ہے، اس کے پورے نظام کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

ایک ماہرِ قواعد کی نہ صرف جملے کی مخصوص شکلوں پر نظر ہونی چاہیے بلکہ اُسے جملوں کے اُن تجزیے پر بھی قدرت رکھنی چاہیے۔ جو کسی خاص ادبی یا مزاحیہ سیاق وسباق میں استعمال ہوتے ہیں" HE DANCED, HE DID" ای۔ ای۔ کومنگ CUMMING

(CUMMING) کا یہ جملہ ایک ادبی سیاق وسباق میں تو قابلِ قبول ہوسکتا ہے لیکن اور کہیں نہیں۔ اسی طرح جوئیس (JOYCE) کی ناول اولی سس (ULYSSES) میں "THEIR IS NOTHIS" چار لفظوں کے بجائے ایک لفظ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ دراصل تمثیلی اندازِ بیان میں الفاظ اپنے استعمال کی عام شکلوں سے ہٹ جاتے ہیں (جیسے THE SUN SMILED) اگر ہمیں زبان کی قواعد کو مکمل کرنا ہے تو روزمرّہ کی بول چال کے اصولوں سے ہٹی ہوئی ایسی تمام ساختوں کی بھی وضاحت کرنی چاہیے۔

قواعد کے اس مختصر جائزے کے آخر میں یہ بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ ماہرِ قواعد کو اپنی بات صاف طور پر اور اختصار کے ساتھ کہنا چاہیے۔ اس کو ایسے طویل اور وضاحتی بیان سے گریز کرنا چاہیے جو لفاظی کے ڈھیر میں اپنا مطلب کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ کہنے کے بجائے کہ انگریزی میں عام طور پر جملہ مبتدا (SUBJECT) خبر (PREDICATE) تکملہ خبر (COMPLEMENT) اور تمیزی جزو (ADVERBIAL) پر مشتمل ہوتا ہے اور ان میں موخر الذکر لازمی نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ اس کے برخلاف یہ کہنا زیادہ صاف اور سہل ہوگا کہ

$$S \longrightarrow Su\ Pc\ (A)$$

یعنی

جملہ ← مبتدا، خبر، تکملہ خبر (تمیز)

اگر پڑھنے والا پہلے سے اِن علامتوں سے واقف ہے تو یہ طریقہ آسان بھی ہے اور واضح بھی۔ اسی طرح فعلِ لازم اور فعلِ مجہول پر مشتمل جملوں کے تعلّق کو لفظوں میں ظاہر کرنے کے لیے عموماً جو طویل بیانات دیئے جاتے ہیں وہ بہت اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں! مثلاً یہ کہنا کہ معروف ایک فاعل جملے کو مجہول میں بدلنے کے لیے اسمِ فاعل کے بعد لاتے ہیں اور اس سے پہلے ایک بار مقدم "BY" کا اضافہ کر دیا جاتا ہے گویا فاعلی جملے کا مفعول مفعولی جملے میں فاعل کی جگہ لے لیتا ہے اور فعل کی شکل حالیہ تمام (PAST PARTICIPAL) ہو جاتی ہے اور اس میں ساتھ ہی ایک فعل اِمدادی (AUXILIARY) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات یقیناً اسی تعلّق کی وضاحت کرتی ہے جو "الف نے بے کے لات ماری" اور "بے کے الف کے ذریعہ لات ماری گئی" کے درمیان ہے لیکن اس کو علامتوں کی مدد سے ایک اصول کی شکل میں زیادہ آسانی سے ظاہر کیا جا سکتا ہے؟ جیسے

$$S+V+O \longrightarrow O+Aux+Vpp+by+S$$

یعنی

فاعل + فعل + مفعول ← مفعول + فعلِ امدادی + فعل، جارِ مقدم + ذریعہ + فاعل موجودہ زمانے کی قواعد کی کتابوں میں ہمیں بہت سے قاعدے اسی طرح لکھے ہوئے ملیں گے۔ یہ طریقہ پرانے طویل بیانوں کے مقابلے میں لکھنے اور سمجھنے دونوں میں آسان ہے۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم پرانے قواعد کی رسمی اصطلاحوں سے خوفزدہ ہونے کے بجائے یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان سے

حقیقت میں مراد کیا ہے اور اس طرح زبان کی ساخت کو سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

کسی زبان کی لفظیات (VOCABULARY) یا لغت Lexicon بھی مطالعے کا اہم موضوع ہے۔ کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ لغت کی ایسی کتابوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں جن میں زبان کا ذخیرۂ الفاظ جزوی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اب تک ماہرِ لسانیات نے اس پر زیادہ تفصیل سے غور و خوض نہیں کیا ہے کہ کسی زبان کی لفظیات کس طرح عمل کرتی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان میں بھی بہت سے پہلو ایسے ہیں جن کے بارے میں تحقیق ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر کسی زبان میں پائے جانے والے مختلف محاوروں اور ان کی اقسام کا بیان یا اس بات کی توضیح کہ کس طرح الفاظ ایک دوسرے سے متعلق ہوتے ہیں یا ایک دوسرے کے معنی کا تعین کرتے ہیں (جیسے مترادف (SYNONYMS) یا متضاد (ANTONYMS الفاظ) یا یہ دکھانا کہ دُنیاوی پہلوؤں کے لیے الفاظ ایک خاص طریقے سے کس طرح مجموعوں کی شکل میں کام کرتے ہیں۔ (مثال کے طور پر یہ دکھانا کہ رنگوں کے لیے جو مختلف زبانوں میں پائے جاتے ہیں، طبعی رنگوں (COLOURSPECTRUM) کو کس طرح مختلف نہج پر تقسیم کرتے ہیں۔) اس نکتے پر آکر ہماری بحث صرف زبانوں کی فارموں تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے دائرے میں الفاظ کے معنی بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ پچھلے صفحوں میں روایتی قواعد میں اجزائے کلام کی بحث کے وقت ہم اس بات پر زور دے چکے

ہیں کہ زبان کی ہیئت اور مفہوم میں امتیاز کرنا بھی ضروری ہے۔ قواعد دراصل ایک رسمی علم ہے جہاں ہمیں اس وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ الفاظ کیا مطلب پیش کر رہے ہیں اور وہ مختلف نحوی سانچوں (SYNTACTICAL PATTERNS) میں خود کو کس طرح لاتے ہیں۔ الفاظ اور جملوں کے معنی کی بحث ان کے قواعدی مطالعے میں اہمیت نہیں رکھتی۔ روایتی قواعد میں ہمیں صرف یہ بتایا جاتا ہے کہ "BOY" (لڑکا) ایک اسم ہے جسے جملے میں فلاں فلاں مقام پر آنا چاہیے۔ اس کی جمع "BOYS" (لڑکے) بنے گی۔ اس کی اضافی حالت (GENETIVE CASE) بھی ہو سکتی ہے اور یہ اسم شمار کر لیے جانے کے قابل ہے وغیرہ۔ اس میں یہ نہیں بتایا جاتا کہ "BOY" (لڑکا) کا مطلب ایک ایسا بچّہ ہے جو سنِ بلوغ سے کم ہو اور مذکر جنس رکھتا ہو۔ یہ چیز ہمیں لغت بتا سکتی ہے۔ لسانیاتی فارموں کے معنی کا مطالعہ معنیات (SEMANTICS) کہلاتا ہے جو زبان کی ساخت کا آخری پہلو ہوتا ہے اور جس پر ہمیں غور کرنا چاہیے۔

زبان محض سادہ آوازوں کا مجموعہ ہی نہیں ہوتی۔ آوازیں خواہ کتنی ہی باقاعدہ اور ہم آہنگ کیوں نہ ہوں اگر بے معنی ہیں تو انہیں زبان کے دائرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ آوازوں کو معنی حقیقی زندگی میں ان کے استعمال سے ملتے ہیں۔ زبان اپنا وجود خلا میں نہیں رکھتی۔ اپنے بولنے والوں سے الگ یا اُس استعمال سے ماورا جس کے لیے وہ وجود میں آئی ہے، زبان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ اُن معنوں کی محتاج ہوتی ہے جو اُسے استعمال سے ملتے ہیں۔ ہم الفاظ کے معنی ان کے استعمال کے طریقوں کا مطالعہ

کر کے ہی تلاش کرتے ہیں۔ آوازوں کا ایک مخصوص سلسلہ اس وقت تک بے معنی رہتا ہے جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ انسانی تجربے کے کن پہلوؤں کے لیے ہم اُسے استعمال کر رہے ہیں۔ میں ابھی ایک لفظ "SPLED" اختراع کر سکتا ہوں لیکن جب تک میں یہ وضاحت نہ کروں کہ اس کے معنی کیا ہیں بالفاظ دیگر میرے اور آپ کے تجربے میں یہ کس چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے اس وقت تک یہ لفظ بے معنی سمجھا جائے گا۔ اگر میں یہ کہوں کہ "SPLED" سے میری مُراد ہر صفحے پر چھپی ہوئی سطر میں حروف کی تعداد ہے، تب ہی میں اس قسم کا جملہ بنا سکتا ہوں کہ" ہر صفحے کے "SPLED" میں زیادہ فرق نہیں ہے، اب میں بجا طور پر یہ یقین کر سکتا ہوں کہ میری بات سمجھ لی گئی ہے۔ یہاں میں نے صرف اتنا کیا ہے کہ اس لفظ کو ایک معنی دے دیئے ہیں۔ یہ وہ عمل ہے جو من مانے طریقے سے نہیں بلکہ زیادہ باضابطہ طور پر ہر زبان میں کیا جاتا ہے اور جو ہماری عام استعمال کی زبان کا ایک اہم اور معیاری جزو ہوتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ معنیات وہ علم ہے جو معنی یا لسانیاتی فارموں کے معنوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس علم میں سب سے پہلے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان فارموں کا آپس میں کیا رشتہ ہے۔ (مثال کے طور پر لفظ " GOOD " (اچھا) کو سمجھانے کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ضد کیا ہے۔ کون سے الفاظ اس کے متبادل ہیں اور کون سا لفظ اس کے بالکل ہم معنی یا مترادف ہے۔) اس کے بعد یہ دکھایا جاتا ہے کہ لسانیاتی فارموں اور خارجی دنیا کے حقیقی مظاہر کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ جن کی جانب یہ فارمیں اشارہ کرتی ہیں گویا

معنیات کو اسما اور اشیا کے درمیان رابطے کا علم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ تعریف غیر اطمینان بخش اور ضرورت سے زیادہ سادہ ہے لیکن اس میں سچائی کا شائبہ ضرور ہے۔ ماہرِ لسانیات دراصل "چیزوں" کی ماہیت یا ان کے مطالعے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ یہ کام دوسرے لوگوں کا ہے ؟ جیسے کیمیاگر، فلسفی یا ماہرِ ارضیات وغیرہ۔ ماہرِ لسانیات کا کام تو صرف اس " تعلّق " کا مطالعہ کرنا ہے جو زبان اور ان چیزوں کے درمیان ہے جو ظاہر ہے زبان نہیں ہیں۔ یہی مطالعہ معنی کی سائنس یعنی معنیات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ابھی تک ماہرِ لسانیات نے اس میدان میں بہت کم تحقیق کی ہے اور یہ اُمید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں معنی کے مطالعے کے سلسلے میں اہم پیش رفت ہو گی۔ فی الحال ہمیں اس بات سے باخبر رہنا چاہیے کہ یہ پہلو بھی لسانیات کی ایک منفرد شاخ ہیں جن کا قواعد، فونیمیات اور صوتیات سے الگ ہٹ کر مطالعہ کیا جا سکتا ہے لیکن لسانیات کی اِن شاخوں کے ساتھ مل کر جب اس پر عمل ہوتا ہے تو ایک ایسا مجموعی مطالعہ وجود میں آتا ہے جسے ہم مطالعۂ زبان کہتے ہیں۔

پچھلے پچاس سالوں میں ہمارے ماہرینِ لسانیات نے زیادہ تر وقت صوتیات (PHONETICS) فونیمیات (PHONOLOGY) اور قواعد (GRAMMAR) کے مطالعے میں ہی صَرف کیا ہے۔ لفظیات (VOCABULARY) اور معنیات (SEMANTICS) کے لسانیاتی مطالعے کی ابھی شکل سے ابتدا ہی ہوئی ہے۔ زبان کی ساخت کے اہم پہلوؤں پر ابھی بہت سی باتیں تحقیق طلب ہیں۔ ماہرینِ

لسانیات نے زبان کے مختلف گوشوں کا خصوصی مطالعہ شروع کردیا ہے تاکہ وہ انکی پیچیدگیوں کا زیادہ گہرائی میں جاکر جائزہ لے سکیں۔ بحیثیت مجموعی اب لسانیات کوئی محدود علم نہیں رہا ہے۔ یہ اپنی جامع تعریفوں کے ساتھ سامنے آچکا ہے۔ اسے متعدد شعبوں میں منقسم کیا جاچکا ہے۔ آج کل اس میں مختلف رجحانات بھی دیکھے جاسکتے ہیں. لسانیات میں کم سے کم پانچ اہم الگ الگ شاخیں وجود میں آچکی ہیں جن میں سے تین کو ہم پہلے ہی اپنی بحث کا موضوع بنا چکے ہیں۔ سب سے پہلے زبان کی ماہیت سے متعلق کچھ بنیادی موضوعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے، جیسے تکلّم اور تحریر کے درمیان کا تعلق یا زبان کے تاریخی اور غیر تاریخی مطالعے کے درمیان ربط وغیرہ۔ یہ لسانیاتی خیالات میں ایک تمہیدی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرے نمبر پر توضیحی نظریہ آتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے تحت زبان کے ایک گروہ، زبان، بولی یا فرد بولی (یا مجموعی لسانیاتی نظام کا وہ حصّہ جس کا استعمال کوئی ایک شخص کرتا ہو۔) کے بعض پہلوؤں کی ایک جامع توضیح پیش کی جاسکے۔ لسانیات کا تقابلی پہلو بھی اس سے بہت قریبی تعلّق رکھتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مختلف زبانوں یا بولیوں وغیرہ کے درمیان مماثلتوں اور اختلافات کا پتہ لگایا جاسکے۔ تیسرے ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ لسانیات ایک بڑا عملی پہلو بھی رکھتی ہے۔ جس کا مقصد لوگوں کو ایسے توضیحی کام کے لیے تیار کرنا ہے جس کا ابھی ذکر ہوچکا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ زبان کس طرح عمل کرتی ہے، اس کی ایک مقررہ تیکنیک ہے بالکل ویسے ہی جیسے کوئی چیز کس طرح کام کرتی ہے۔ اس کی اپنی تیکنیک

ہوتی ہے۔ مثلاً ایسی تیک نیک جو ہم میں کسی زبان کی آوازوں کو صحیح طور پر سننے کی صلاحیت پیدا کردے۔ ہمیں ان کی توضیح کے قابل بنادے۔ ہم انہیں صوتیاتی تحریر (PHONETIC TRANSCRIPTION) میں لکھ سکیں۔ اس میں ایسی تیک نیک بھی موجود ہے (جس سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ قواعد کے چھوٹے اجزا کیا ہیں یا ایسی تیک نیک جس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ زبان کے بولنے والے دوسروں تک کس طرح معلومات کی ترسیل کرتے ہیں، لسانیات میں ملتی ہے وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں کسی ماہرین لسانیات کی دو سالہ تربیت کا حصہ کہلائیں گی۔

لسانیات کا ایک بہت اہم نظری پہلو اور بھی ہے جو آجکل خاص طور سے بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ ماہرینِ لسانیات کو بہرحال ایک ایسا نظریہ قائم کرنا چاہیے جو یہ بتا سکے کہ زبان کس طرح عمل کرتی ہے۔ یہ نظریہ پچھلے تمام ایسے تصورات کی تعریف اور ان کے باہمی ربط پر مبنی ہے جن کو صحت مند توضیح کے لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں یعنی مصمتہ، رکن (SYLLABLE) اسم، زمانہ (TENSE) کیفیت (MOOD) لفظ اور جملہ وغیرہ۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی تعریف کرنا مشکل ہے صرف جملے کی سو سے زیادہ تعریفیں کی جاچکی ہیں اور ہم اس خطرے کو دیکھ ہی چکے ہیں جو اجزائے کلام (PARTS OF SPEECH) کی روایتی تعریف میں چھپا ہوا ہے۔ لسانیاتی نظریہ قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آجکل زبان سے متعلق بہت سے مختلف نظریوں پر کام کیا جارہا ہے۔ لسانیات کا گہرائی سے

مطالعہ کرنے والے جلد ہی تخلیقی (SCALE AND CATEGORY ___ GENERATIVE) اور (STRATIFICATION) جیسی اصطلاحوں سے دوچار ہوں گے جو قواعدی نظریئے کی مختلف قسموں سے تعلّق رکھتی ہیں۔ انہیں چومسکیائی (CHOMSKYAN) یا نوفرتھیائی (NEO-FIRTHIAN) مکاتبِ فکر والوں کے یہاں باربار سُنا جائے گا۔ یہ محض ایسی پرچیاں ہیں جنہیں لسانیاتی مطالعے کے مختلف نکتہ ہائے نظر پر چپاں کردیا گیا ہے۔ ان میں پائے جانے والے اسمائے معرفہ (PROPER NAMES) عام طور پر علما کے نام تک ہیں جنہوں نے یہ نظریے وضع کیے ہیں۔ ان مختلف نظریوں کے درمیان کچھ خاص مماثلتیں ہمیشہ ملتی ہیں لیکن ان پر عموماً اختلافات غالب آجاتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر نزاعی مسائل قائم رہتے ہیں۔ پیش کیے جانے والے دلائل بھی کبھی کبھی غیرواضح ہوتے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے بھی ناقابلِ فہم ہوجاتے ہیں جو ان لسانیاتی نظریات کے خصوصی ماہرین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لسانیاتی نظریے کے کچھ پہلو انتہائی ریاضیاتی اور منطقی اصطلاحوں میں اور کبھی غیرضروری اور ڈرا دینے والی علامتوں کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ چیز ان لوگوں کو جو پہلے سے اس کے لیے تیار نہ ہوں، برگشتہ کردیتی ہے۔ ایک اور دقّت جو ایسے مطالعے میں پیش آتی ہے وہ اجزا کو تقسیم کردینے کا رجحان ہے جو نظریے کے سامنے آتے ہی فوراً ظاہر ہوتا ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر نظریہ ایک فردِ واحد کے

دماغ کی پیداوار ہوتا ہے جسے وہ برسوں ارتقائی منازل سے گزارتا اور ساتھ ہی اپنے طالب علموں کو سکھاتا بھی رہتا ہے پھر طالبِ علم اصل نظریے کو اپنے ذاتی مشاہدات میں آگے بڑھاتے ہیں۔ اس طرح بہت سی متبادل صورتیں وجود میں آجاتی ہیں جو نتیجتاً مزید اختلافات کا باعث بنتی ہیں۔ قواعد کی اس قسم نے جو تخلیقی قواعد (GENETIVE GRAMMAR) کہلاتی ہے، 1957ء میں عام شہرت پائی لیکن اب تک اس کی بہت سی قسمیں وجود میں آ چکی ہیں جن میں سے ساری کی ساری باہمی طور پر یکساں نہیں ہیں۔ یہاں طالبِ علم کو بڑا محتاط رہنا چاہیے۔ بہتر یہ ہوگا کہ اس حصے کو اُسے لسانیات کی اعلا تعلیم کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

آخر میں یہ بتانا ضروری ہے کہ لسانیات کی ایک شاخ " اطلاقی "(APPLIED) بھی ہے یعنی لسانیات کا مطالعہ زبان کے مقصد سے نہیں بلکہ کوئی دوسرا غیر لسانیاتی مقصد لے کر زبان کا مطالعہ کرنا، جیسے جدید زبانوں کی تعلیم و تدریس وغیرہ میں اس پہلو پر تیسرے باب میں الگ سے بحث کروں گا اس لیے فی الحال یہ ہماری بحث کا موضوع نہیں ہے۔ یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ایک شخص لسانیات کا جتنا گہرا مطالعہ کرے گا اتنے ہی نئے میدان اس کے سامنے آئیں گے اور اس صورت میں لسانیات کی دریافتیں اس کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔

لسانیات کی مختلف شاخوں کے جائزے کا مقصد یہ ہے کہ ان مشکلات پر روشنی ڈالی جائے جو سنجیدگی سے اس موضوع کا مطالعہ کرنے والے کی راہ میں

حائل ہو سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں طالبِ علم کو متعدد بنیادی اور تقریباً مسلمہ خیالات پر نظر ثانی کرنی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص خوشی سے لاطینی کے ذریعے انگریزی پڑھا رہا ہے تو اس کے لیے لسانیات کے مطالعے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے ایک بالکل مختلف طریقِ کار اور اقدار کے پیمانے کو اپنانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ یہ کام بہت مشکل ہو سکتا ہے۔ دوسری بڑی مشکل پورے مضمون کے لیے کسی متفقہ نظریاتی بنیاد کی کمی ہے۔ یہ چیز ایسے شخص کو پریشان کر سکتی ہے جو مطالعے کے لیے پہلے سے قائم شدہ عام اصولوں پر مشتمل ہموار میدان چاہتا ہے۔ میں ذاتی طور پر عمومی نظریاتی اتفاق کے نہ ہونے اور اختلافات کی حقیقت کو اتنا پریشان کن نہیں سمجھتا جتنا خیال انگیز مانتا ہوں۔ دوسرے یہ صورت حال صرف لسانیات کے لیے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسری تمام سائنسوں کو بھی نظریاتی بلوغ کے دور سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تک سائنسی نظامِ افکار کا تعلق ہے، لسانیات بڑی حد تک ابھی قبل بلوغ کی منزل میں ہے۔ جبکہ کافی ترقی یافتہ علوم بھی اپنی معلومات کی بنیادوں کو باقاعدگی کے ساتھ بار بار جانچتے اور پرکھتے رہتے ہیں جس کی نمایاں مثال علم طبیعات کی نظریاتی بنیادوں کو متعین کرنے کی طرف موجودہ رجحان ہے۔

لسانیات کا ایک اور پہلو جو اکثر طالبِ علموں کو پریشان کرتا ہے، غیر مانوس اصطلاحات ہیں۔ جو محض ماہرینِ لسانیات نے زبانوں کی تفصیلی وضاحت کے لیے

وضع کی ہیں۔ مثال کے طور پر فونیم (PHONEME) مارفیم (MORPHEME)
اسمی گروپ (NOMINAL GROUP) دولبی صفیری (BILABIAL — FRICATIVE) اور ترکیب باترتیب (COLLOGATION) وغیرہ۔ انہیں اکثر "بکواس" کہہ کر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اگر بکواس اصطلاحات ہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ذہنی تربیتی نظام کا یہ ایک لازمی جزو ہوتی ہیں۔ لسانیات کی اصطلاحات دوسری جدید سائنسوں کی اصطلاحات کے مقابلے میں زیادہ تیکنیکی نہیں ہیں اور یقیناً نہ اُن اصطلاحوں سے زیادہ تیکنیکی ہیں جو روایتی قواعد میں استعمال ہوتی ہیں (اور جو انتہائی غیر واضح ہیں۔) ایسا لگتا ہے کہ اصطلاحات کے اکثر ناقدین کے ذہن میں یہ خیال رہتا ہے کہ زبان پر بات کرنے کے لیے زیادہ واضح ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ زبان کی دنیا علم کیمیا یا برقیاتی طبیعات (ELECTRONIC PHYSICS) کے مقابلے میں زیادہ مانوس ہے اس لیے اس کے بارے میں مانوس اصطلاحوں میں بات کی جاسکتی ہے۔ یہ بات حقیقت سے بہت دُور ہے۔ جیساکہ ہمارے زبان کے روایتی تجربے نے بتایا ہے۔ حقیقت میں ایسی اصطلاحات کی تعداد بہت کم ہے جن کا لسانیات میں مستقل طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی تقریباً تین یا چار درجن اور بس۔ بعض ترقی یافتہ نظریات ضرور باہری اصطلاحوں کا نہ صرف پورا سرمایہ استعمال کرتے ہیں بلکہ انہیں غیر مانوس علامتوں کے ذریعے پیش بھی کرتے ہیں۔ لیکن کوئی طالب علم ایسے نظریوں سے اپنے مطالعے کی شروعات نہیں کرے گا۔ اس

لیے ایسی اصطلاحوں کی موجودگی سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کرنا چاہیے کہ یہ کسی مبتدی کو اس کے راستے سے ہٹا دیں گی۔

مختصر یہ کہ لسانیات کا مطالعہ کرنے کے لیے ہمیں کسی حد تک دوہری شخصیت کا حامل ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ہمارے ذہن کو دو طرح کا ہونا چاہیے۔ ایک تجزیاتی بھول بھلیّوں کو حل کرنے والا دماغ جو ہمیں اس لائق بنا دے کہ ہم لسانیاتی معلومات کے وسیع مواد کو دیکھ کر "حظ" حاصل کر سکیں اور اس کے لیے نئے سانچے تلاش کرنے کی کوشش کریں اور دوسرے غور و فکر کرنے والا اور تخیّل سے کام لینے والا دماغ جو ایسے مواقع فراہم کرے کہ ہم زبان کے زیادہ فلسفیانہ اور نظریاتی مسائل پر غور کر سکیں۔ ایک "کامل ماہرِ لسانیات" کو عملی صوتیات (PRACTICAL — PHONETICS) کے ساتھ معنی کی ماہیت کا بھی علم ہونا چاہیے۔ زبان کے نظریاتی اور عملی دونوں پہلوؤں میں غالباً اوّل الذکر زیادہ بنیادی ہے۔ ہم زبان کے بارے میں تخیّل کی پرواز کا سہارا لیے بغیر اور نظریاتی مسائل پر زیادہ غور و فکر کیے بغیر بھی بہت سے مفید توضیحی کام کر سکتے ہیں لیکن خوش اسلوبی کے ساتھ کوئی اہم نظریاتی کام کرنا اُسی وقت ممکن ہے جب ہمارے پاس عملی تجزیے سے حاصل کی ہوئی کوئی ٹھوس بنیاد ہو۔

تجزیاتی ذہن کا ذکر کرتے ہوئے میں نے "حظ" لفظ کا استعمال کیا ہے۔ یہ بہت اہم ہے۔ اگر کوئی شخص زبان سے خاص دلچسپی نہیں رکھتا اور اس کا گہرا مطالعہ

کرنے کے لیے اس کے اندر بھرپور جذبہ نہیں ہے تو مناسب یہی ہے کہ وہ لسانیات سے دُور ہی رہے۔ کیونکہ بنیادی دلچسپی کے بغیر ٹھوس تجزیاتی مہارت حاصل کرنا اور زبان کے مواد کو باریک بینی کے ساتھ جانچنا ممکن نہیں ہوگا بلکہ اس طرح اس شخص کے اندر ایک طرح کی مایوسی پیدا ہو جائے گی۔ جہاں تک یونی ورسٹی کے اکثر مضامین کا تعلق ہے، ہائی اسکول کی آخری سال (SIXTH FORMER) کا طالبِ علم بجا طور پر یقین کر سکتا ہے کہ اس نے ایسی چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرلی ہیں جو اُسے یونی ورسٹی میں پڑھنا ہوں گی۔ کیونکہ وہ اپنی اسکول کی زندگی کے دوران ان مضامین سے واقف ہو گیا ہے لیکن فلسفہ اور لسانیات جیسے عالمانہ مضامین کے بارے میں، جن کی تعلیم کا اسکولوں میں انتظام نہیں ہے، اُسے اس بات کا بہت کم علم ہوتا ہے کہ اس کا موضوع کیا ہے۔ ایسا اُسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب خوش قسمتی سے اسکول میں اُسے ایسا کوئی استاد مل جائے جو مضمون سے واقفیت رکھتا ہو یا خود اس کے اندر مضمون کو پڑھنے کا پہلے سے شوق اور حوصلہ رہا ہو۔ لسانیات کا ارتقا جو ماضی قریب میں ہُوا ہے، اس کا حال فلسفے سے بھی زیادہ خراب ہے۔

اس لیے جو شخص لسانیات کے مطالعے کا خواہشمند ہے اُس کے لیے صحیح مشورہ یہ ہے کہ وہ پہلے اس مضمون کے مطالعے میں شامل باتوں پر غور کرے۔ میں یونی ورسٹی میں داخلے کے بہت سے خواہشمند ایسے طلبا کو جانتا ہوں جن کا لسانیات کے ڈگری کورس میں داخلے کے لیے انٹرویو لینے پر پتہ چلا کہ وہ اس مضمون کے

بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے اور اُمید رکھتے تھے کہ انہیں اس مضمون کے ذریعے کچھ ایسی نئی معلومات حاصل ہوں گی جن سے وہ اپنی اسکول کی زندگی میں ناواقف رہے ہیں۔ ایسے امیدوار ہوسکتا ہے کہ زبانوں سے واجبی دلچسپی رکھتے ہوں اور عام طور پر یہ تسلیم کرتے ہوں کہ انہیں زبان سیکھنے سے دلچسپی ہے لیکن اتنا کافی نہیں ہے۔ یقیناً یہ بات احمقانہ ہے کہ کوئی شخص محض اس بنیاد پر ہی یونی ورسٹی میں داخلے کی درخواست دے اور ایک ایسے مضمون کے چار سالہ مطالعے میں مصروف ہوجائے جس کے بارے میں اُسے پہلے سے کچھ معلوم نہیں ہے اور جو اس مضمون کے لیے موزوں ذہن بھی نہیں رکھتا۔ لسانیات کا مضمون عام طور پر یونی ورسٹی میں کلیہ فنون (ARTS — FACULTY) سے متعلّق ہوتا ہے اور وہ عموماً جدید زبانوں، ادبیاتِ عالیہ اور انگریزی سے منسلک ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ لسانیات اپنی مختلف خصوصیات کے اعتبار سے ایک سائنس ہے اور اس کا تعلق سائنس فیکلٹی (SCIENCE-FACULTY) سے بھی اتنا ہی ہوسکتا ہے (مثال کے طور پر ریڈنگ یونی ورسٹی میں اس علم کو سرکاری طور پر "لسانیاتی سائنس" کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا شعبہ ادبیات کی فیکلٹی (FACULTY OF LETTERS) میں بھی شامل ہے) لسانیات دراصل اُن مضامین میں سے ایک ہے جس میں ان دونوں کلچروں کی نمائندگی پائی جاتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی نظر میں لسانیات کا یہ پہلو بھی ہے جو اس علم کی مقبولیت کا سبب بنا ہے۔

تیسرا باب

لسانیات کے فوائد

لوگوں کو عام اصطلاح میں یہ بتا دینے کے بعد کہ لسانیات کا تعلق کن چیزوں سے ہے، اکثر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آخر اس طرح زبان کے مطالعے کا مقصد کیا ہے ؟ یا یوں کہیے کہ یہ مطالعہ کیوں کارآمد ہے۔ ایسے سوالوں کے جواب دینے کے کئی طریقے ہیں۔ ایک کوہ پیمائی کتاب سے مثال دیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ "میں زبان کا مطالعہ اس لیے کرتا ہوں کہ اس کا وجود ہے، جو دلچسپ ہے" وغیرہ۔ اس ضمن میں شاید سب سے اہم وجہ یہی ہے۔ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عام لوگوں اور پڑھے لکھے لوگوں میں زبان کی ماہیت کے بارے میں عموماً پائی جانے والی ناواقفیت کو دُور کرنے کے لیے ہم زبان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سوال کو گھما کر اس طرح بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ سولہویں صدی کے ادب یا قدیم تاریخ کے مطالعے سے کیا فائدہ ہے؟ یہاں دلیل کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان کو مقصود بالذات مان کر اس کا مطالعہ کرنا بھی کم فائدے مند نہیں ہے۔ لیکن خواہشمندوں کی زیادہ دلچسپی یہ سمجھنے میں ہے کہ سماج کے مختلف پہلوؤں کے لیے لسانیات کی عملی قدرو

قیمت کے تعلق سے ایک ماہرِلسانیات کیا کردار ادا کرتا ہے اور جیسے ہی کوئی شخص اس سلسلہ استدلال کو سمجھنا شروع کر دیتا ہے اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں متعدد ایسے سوالات بھی موجود ہیں جو بالخصوص اُن لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث بن سکتے ہیں جو اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچ رہے ہوں، مثلاً کوئی شخص جس نے لسانیات کا ڈگری یا کسی دوسری تعلیمی سطح تک مطالعہ کیا ہے، وہ لسانیات سے کیا کام لے سکتا ہے یا یہ کہ ایسے تربیت یافتہ آدمی کے لیے کیا سہولتیں فراہم ہو سکتی ہیں۔ یہ مشکل سوال ہیں جن کا قطعی جواب دینا آسان نہیں ہے کیونکہ ابھی نسبتاً بہت کم لوگوں نے اس مضمون میں خصوصی تربیت حاصل کی ہے۔ بہرحال عام سطح پر ایسے سوالوں کے تین طرح سے جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں لسانیات کی تعلیم کو محض ایک تربیت سمجھنا چاہیے اور بس۔ یعنی ایک ایسی ذہنی تربیت جس کا معیار اس سطح کی دوسری اعلا تربیتوں کے برابر ہو۔ اس اعتبار سے لسانیات میں بی۔ اے کرنے کی بالکل وہی حیثیت ہے جو دوسرے کسی مضمون میں بی۔ اے کی ہو سکتی ہے۔ سماجی، صنعتی یا عوامی زندگی میں بہت سے پیشوں کے لیے یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ ایک شخص کے پاس کوئی ڈگری، ڈپلوما یا ایسی اور کوئی سند ہونی چاہیے۔ یہ جتنی زیادہ اعلا سطح کی ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ تربیت حاصل کرنے والے مضمون کی نوعیت کیا ہے کیونکہ ایک طالب علم کو اس کے نئے مضمون میں غالباً شروع ہی سے تربیت دی جائے گی۔ مثال

کے طور پر کسی آجر کو فنونِ کلیہ (ARTS) کی ڈگری زیادہ سے زیادہ یہ ضمانت دے سکتی ہے کہ اس میں متعلقہ موضوعات میں لیاقت کا ایک مخصوص معیار موجود ہے۔ یہ سند اس بات کی بھی ضمانت دے گی کہ طالبِ علم نے موضوع کا مطالعہ ایک حد تک گہرائی میں جا کر کیا ہے اور اس مطالعے میں اس نے اپنی صلاحیت اور سوجھ بوجھ سے کام لیا ہے وغیرہ۔ اس اعتبار سے لسانیات بھی وہی حیثیت اور وہی افادیت رکھتی ہے جو مطالعہ کیا جانے والا کوئی دوسرا علمی مضمون رکھتا ہے۔ کسی شخص کو خاص طور پر یہ فکر نہیں ہوتی کہ یونی ورسٹی سے نکلنے کے بعد اُسے اس مضمون سے مزید کام لینا ہے۔

تاہم اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ لسانیات کے مطالعے کو کس طرح آگے بڑھائے اور اس تربیت کو جو اس نے زبان کے بارے میں حاصل کی ہے اُسے کس طرح اپنی عملی زندگی میں استعمال کرے؟ یہاں بھی صورت یہی ہے کہ لسانیات دوسرے مضامین سے مختلف نہیں ہے۔ بہرحال اس سوال کے دو ممکن جواب ہو سکتے ہیں، جن کا انحصار اس بات پر ہے کہ مضمون کے "خالص" پہلو پر زور دیا جا رہا ہے یا "اطلاقی" پر۔ جہاں تک لسانیات میں "خالص" دلچسپی کا تعلق ہے، ابتدائی تربیت کے بعد یہ یقینی طور پر ممکن ہے کہ لسانیات میں تحقیقی کام کیے جائیں جیسا کہ ہم دوسرے باب میں دیکھ چکے ہیں اس میدان میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ لسانیاتی اہلیت کو بروئے کار لانے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم کسی یونی ورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ سطح پر تحقیقی کام کریں یا ایسا کوئی عہدہ حاصل کریں جہاں تحقیقات کے لیے وقت مل سکے

یا جہاں ملازمت کی یہ شرط ہو کہ کسی قسم کا تحقیقاتی کام کیا جائے۔ یونی ورسٹیوں اور اعلا تعلیمی اداروں کی نوکریاں خواہ وہ برطانیہ میں ہوں یا دوسرے بیرونی ممالک میں، اسی زمرے میں آئیں گی۔ زبان کے مختلف پہلوؤں پر متعدد تحقیقاتی منصوبے مختلف ممالک کی حکومتوں کی سرپرستی میں یا بڑے صنعتی اداروں کے تعاون سے چل رہے ہیں۔ مثال کے طور پر مشینی ترجمے یا بچوں میں پڑھنے کی اہلیت کو ترقی دینا وغیرہ۔ اعلا تعلیم میں بہت سے ایسے غیر لسانیاتی منصوبے بھی موجود ہیں جن میں تربیت یافتہ ماہرِ لسانیات تحقیقاتی جماعت کا ایک اہم اور موثر رکن ہوتا ہے، مثلاً کمپیوٹر سے متعلق کام، عمرانیات، نفسیات اور بالخصوص تعلیم وغیرہ۔ جہاں تک لسانیات سے فائدہ حاصل کرنے کا تعلق ہے۔ کوئی بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ اس قسم کے "خاص" تحقیقی کاموں کی آسامیاں نسبتاً کم ہیں اور تقرر کے لیے مطلوبہ معیار کافی اونچے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اطلاقی لسانیات کی مختلف صورتوں میں ہمیں اپنی لسانیاتی اہلیت سے فائدہ اٹھانے کے اصل مواقع مل سکتے ہیں۔ ہم اس باب کے باقی حصّہ میں اسی معیار کے اہم میدانوں میں سے چند پر بحث کریں گے۔

"اطلاقی لسانیات سے میری مراد کسی غیر لسانیاتی میدان میں لسانیاتی طریقِ کار اور اس کی تحقیق اور تجزیے کی تیکنکوں کے اصولوں کا استعمال ہے۔ اس اعتبار سے **لسانیات** گویا کسی اور مقصد کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ ہے، بذاتِ خود وہ کچھ نہیں۔ ایسے بہت سے میدان خالی پڑے ہیں جہاں اب بھی کام کرنے کی بہت سی گنجائش باقی ہیں۔

لسانیاتی تحقیق کا کارآمد استعمال جن میدانوں میں ہوسکتا ہے یقیناً ان میں سب سے اوّل اور اہم زبان کی تدریس اور اس کا سیکھنا ہے، خاص طور سے " بیرونی زبانوں" کی تعلیم. اطلاقی لسانیات کی اصطلاح کو بعض اوقات بیرونی زبان کی تدریس کے مترادف سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس میدان میں لسانیات کی افادیت کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اسے ایک بدیہی حقیقت سمجھنا چاہیے کہ کوئی شخص اس وقت تک کسی زبان کو نہیں پڑھا سکتا جب تک کہ اس زبان کے تمام پہلوؤں سے وہ واقف نہ ہو مگر حقیقتاً ایسا ہوتا نہیں زبان سے واقف ہونا اور زبان کے بارے میں سب کچھ جاننا دو مختلف باتیں ہیں۔ کسی زبان میں روانی سے بات چیت پر قدرت رکھنا اس بات کی ضمانت نہیں کہ ہم اُسے دوسروں کو پوری طرح سمجھا اور سکھا بھی سکتے ہیں۔ یہ غیر پیشہ ورانہ رویّہ بہت خطرناک ہوسکتا ہے۔ ہم اکثر ایسے لوگوں سے ملتے رہتے ہیں جنہیں کسی زبان کے بارے میں بہت سے غلط حقائق بتائے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو پڑھانے والا مناسب طور پر تربیت یافتہ نہیں تھا یا ایسے لوگ جنہوں نے مایوس ہوکر زبان کا مطالعہ ہی ترک کردیا کیونکہ انہیں فراہم کی گئیں معلومات باقاعدہ مرتب نہیں تھیں۔ اس سلسلے میں مناسب تربیت کی بہت اہمیت ہے۔ یہاں تربیت سے مراد کسی زبان کے ایسے حقائق سے باخبر ہونا ہے جنہیں کسی مخصوص نظریے کے دائرے میں پیش کیا گیا ہو، ان کے باہمی تعلّق کی وضاحت کردی گئی ہو، ان حقائق میں سے کسی ایک کی ماہیت کے بارے میں تحقیق کے نئے نئے کاموں سے واقفیت ہو۔ ان حقائق کو کسی مخصوص نصاب کا

پابند کرکے، اُسی کے مطابق انتخاب کرنے اور درجہ بندی کرنے کی صلاحیت ہو، جو تدریسی کتابیں دستیاب ہیں ان پر تعمیری تنقید کرنے کی اہلیت ہو اور پہلے سے سیکھی ہوئی زبان اور جو اب سیکھی جا رہی ہے ان کے درمیان کا فرق بھی معلوم ہو تاکہ مشکل نکات کا نہ صرف بآسانی اندازہ لگایا جا سکے بلکہ ان کے لیے ذہن کو تیار بھی کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اس تربیت میں شامل کی جا سکتی ہیں۔

زبان کے تعلیمی اداروں میں اب اس ضرورت کا زیادہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ زبان اور خاص طور پر بولی جانے والی زبان کے استاد مناسب طور پر تربیت یافتہ ہونے چاہئیں۔ برطانیہ نیز بیرونی ممالک میں بھی لسانیات کی طرف ذہنی میلان رکھنے والے استادوں کے لیے بہت سے مواقع ہیں۔ ایک غیر ملکی زبان کی حیثیت سے انگریزی زبان کی تدریس اس شعبے کی سب سے بڑی صنعت ہے۔ برٹش کونسل اور اسی طرح کی دوسری تنظیمیں دوسرے ملکوں میں انگنت انگریزی کے اُستادوں کی لسانیاتی تربیت کا انتظام کرنے میں عظیم کردار ادا کر رہی ہیں۔ لسانیات میں انڈر گریجویٹ کو اس کے اجراء کے کئی سال قبل اطلاقی لسانیات یا بحیثیت بیرونی زبان انگریزی کی تدریس کے کورس جاری ہیں۔ ان کی اسناد کہیں زیادہ عام ہیں اور انہیں مزید وسعت دی جا رہی ہے۔ یہ دلچسپی کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ انگریزی زبان بین الاقوامی ترسیل کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ بہت سے ملکوں کی سرکاری اور تعلیمی زبان ہے اور یقیناً دنیا کی ان زبانوں میں سب سے بڑی ہے جنہیں ثانوی زبان کی حیثیت سے سیکھا جاتا ہے۔

مکتب کی تعلیم سے لے کر اونچی سطحوں تک تربیت یافتہ اور ماہر استادوں کی مانگ برابر بڑھتی جارہی ہے۔ اسی تناسب سے ایسی درسی کتابوں کی مانگ بھی بڑھ رہی ہے جو لسانیات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہیں۔ انگریزی زبان کے سینکڑوں نصاب موجود ہیں مگر ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جن میں انگریزی کے بارے میں پچھلے بیس سال میں کی گئی لسانیاتی تحقیقات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہو۔ انگریزی کے بارے میں جو کچھ میں نے کہا ہے کم و بیش وہی بات یوروپ کی دوسری ہر بڑی زبان پر بھی صادق آتی ہے۔

ہمارے ملک برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں انگریزی بولنے والوں کو دوسری غیر ملکی زبان کی تعلیم دینے کے لیے لسانیات اب آہستہ آہستہ اسکولوں میں بھی داخل ہوتی جارہی ہے۔ اب اسکولوں کے اکثر ہیڈ ماسٹر لسانیات کی تربیت کو مشکوک نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اب لسانیات کو زبان کی تعلیم و تدریس کے معیاروں کو بہتر بنانے میں معاون سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات قبل از وقت نہیں ہے۔ ہم لوگ اسکول میں پڑھنے والے طالبِ علم کی اس صورتِ حال سے واقف ہیں جو اسکول کی پڑھی ہوئی فرانسیسی" کو پہلی بار فرانس جاکر استعمال کرتا ہے۔ وہ نہ اپنی بات سمجھا پاتا ہے اور نہ خود دوسرے کی سمجھ سکتا ہے۔ اب لوگوں کو اس بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ یہ صورتِ حال اس بات کی علامت ہے کہ ہماری بیرونی زبانوں کی تعلیم میں کوئی بنیادی خامی ہے۔ یہاں یہ امید رکھنا کہ لسانیات ہماری کچھ مدد کرسکتی ہے، بے جا نہ ہوگا۔

اسکولوں اور اعلا تعلیمی سطحوں پر "اجنبی" زبانوں مثلاً روسی یا چینی پڑھانے کے لیے بڑے پیمانے پر استادوں کی ضرورت کو محسوس کیا جاتا ہے۔ ایسی زبانوں میں وسیع تربیت کو ہم عمومی لسانیات کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ اسکولوں میں زبانوں کے عمل خانوں (LABORATORIES) کا بڑھتا ہوا استعمال صحیح سمت میں ایک اور قدم ہے۔ یہاں ایسے خیال سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ بیش قیمت آلات کی موجودگی ہی ہمارے سوالوں کا جواب ہے۔ زبان کے عمل خانے لسانیاتی اُصولوں کی مکمل تربیت کا بدل نہیں ہو سکتے۔ یہ عمل خانے بہرصورت صرف اتنے ہی کارآمد ہو سکتے ہیں جتنا ٹیپ کیے ہوئے مواد کا استعمال۔ اگر ٹیپ کا مواد ناقص ہے تو کسی قسم کی بھی میکانکی مہارت طالبِ علم کی گفتگو کی روانی کے معیار کو بہتر نہیں بنا سکتی۔ ٹیپ کے لیے اچھا مواد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم زبان کی پیچیدگیوں اور ان مسائل سے پوری طرح باخبر ہوں جو لسانیاتی بنیادوں اور تدریسی معیاروں کے مطابق ساختوں کی درجہ بندی کرتے وقت سامنے آتے ہیں۔ اس کے لیے پھر ایک لسانیاتی جہت کی ضرورت ہے۔

ابھی تک لسانیات کو زبان کی تعلیم و تدریس کے دوسرے اہم پہلو یعنی کسی کی پہلی یا "مادری" زبان کی تعلیم میں باقاعدہ استعمال ہونے کا موقع نہیں ملا ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں اس کے باوجود کہ انگریزی زبان میں امتحانوں کے موجودہ طریقے پر بڑی تنقیدیں ہوتی رہی ہیں اور مختلف تنظیمیں اس سلسلے میں اپنی سفارشات پیش کرتی رہی ہیں (پچھلے صفحات ملاحظہ ہوں۔) برطانیہ کے اسکولوں میں لسانیات کو بحیثیتِ

مضمون متعارف کرانے یا اسکولوں میں پڑھائی جانے والی زبان کے سلسلے میں لسانیاتی تصورات کو بروئے کار لانے میں بہت کم پیش رفت ہوئی ہے۔ یہ کام اُستادوں کی ثواب دید پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حال میں ہائی اسکول کے آخری سال میں انگریزی کے استعمال کا جو امتحان متعارف کرایا گیا ہے اس کا کوئی تعلّق لسانیات سے نہیں ہے۔) اسی طرح اس بات پر بھی ابھی تک غور نہیں کیا گیا کہ لسانیات کو اسکولوں میں منظم طور پر کس طرح متعارف کرایا جائے۔ اگرچہ انگریزی کی تعلیم و تدریس کی قومی انجمن National Association for the teaching of English جیسی تنظیموں میں اس موضوع پر بحثیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں دو تکمیلی راستے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ لسانیات کو اس کی ذاتی حیثیت سے نصاب کے ایک اضافی جزو کے طور پر متعارف کرایا جا سکتا ہے اور اُسے شاید "عام" یا "وسیع" مطالعے کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یقیناً اس طرح انگریزی یا کسی دوسری زبان میں طالبِ علم کی استعداد میں اضافہ کرنا مقصود نہیں ہوگا بلکہ صرف اس بات کی کوشش ہو گی کہ طالبِ علم کو بالعموم ایک زبان اور بالخصوص اپنی زبان کی ساخت اور صلاحیتوں سے شعوری واقفیت ہو جائے۔ یہ چیز طالبِ علم کے اندر کسی مخصوص زبان کو استعمال کرنے کی زیادہ صلاحیت پیدا کر سکتی ہے لیکن اس طریقِ کار کا "اصلاحی" اثر اس کا بنیادی مقصد نہیں ہوگا۔

دوسرے یہ ضروری نہیں کہ لسانیات ایک خاص مضمون کی حیثیت سے متعارف

کرادی جائے بلکہ کسی خاص زبان کے نصاب میں اسے جگہ دی جانی چاہیئے۔ پھر زیر مطالعہ زبان کی ماہیت پر اس کی حیثیت بنیادی طور پر ایک معلوماتی نصاب کی ہو جائے گی اور اُسے خصوصاً اس لیے نہیں پڑھا جائے گا کہ کوئی اس پر دسترس حاصل کرے اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ یہ چیز یعنی زبان پر قدرت حاصل کرنا اس کے ضمنی نتائج میں سے ایک ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ طریقہ ایک طرح سے ذہنی تنظیم و تربیت کی حیثیت سے قابلِ قدر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ لاطینی زبان کے مطالعے کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے اگر ضرورت ہو تو ایسے نصاب میں کوئی اصلاحی جُز بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ زبان کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جنہیں عام طور پر مخصوص زبانوں کے نصابوں — (therape utic) میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ انہیں متعارف کرا کے قبتاً سریع اثر اصلاحی نتائج برآمد کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بولی اور لکھی جانے والی زبان کے مختلف اسالیب کی معلومات۔ تاکہ طالب علم زیادہ بہتر طریقے سے ایسی مختلف صورتوں جیسے گفتگو، عام مباحث یا مکتوب نگاری وغیرہ کے موزوں ذریعۂ اظہار سے واقف ہو سکے اس کے علاوہ اسکولوں میں لسانیات کے لیے اور بھی امکانات ہیں؛ جیسے پرائمری اسکولوں میں بلند خوانی اور پڑھنے میں روانی سکھانا وغیرہ۔ آجکل اس قسم کے بہت سے میدانوں جیسے تحقیقاتی منصوبوں کی تلاش جاری ہے لیکن ان کاموں میں ابھی بہت کم ایسی ترقی ہوئی ہے کہ انہیں عام طور پر متعارف کرایا جا سکے۔

اکثر لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ لسانیاتی معلومات کی موجودہ خلا کو پُر کرنے کے

لیے کسی نہ کسی طرح کے نصاب ہونے چاہییے۔ یونی ورسٹیوں نے اس بات کو پوری طرح تسلیم کرلیا ہے۔ SIXTH FORM کی کانفرنس اور اسی طرح کے دوسرے موقعوں پر خود پڑھنے والے بھی اس خیال کی طرف پوری طرح 'راغب' نظر آتے ہیں۔ امریکہ میں بھی اسکولوں میں لسانیات کے تجرباتی نصاب کامیاب ہوئے ہیں لیکن اسکولوں میں اُس وقت تک نئے نصاب داخل کرنا ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ انھیں پڑھانے کے لیے استاد نہ تیار ہو جائیں۔ اس کے لیے وقت درکار ہے۔ بہت سے ٹریننگ کالج اب لسانیات کے نصاب چلا رہے ہیں اور ہم توقع کر سکتے ہیں کہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک نیا ماحول پیدا ہو جائے گا مگر ہمارے پاس آج بھی نصابی اور بنیادی تعارفوں والی کتابوں کی کمی ہے اور جب تک یہ تیار نہ ہو جائیں، لسانیات اسکول کے نصاب کا ایک معین حصہ نہیں بن سکے گی۔

زبان کی تعلیم و تدریس کے مختلف پہلوؤں سے قطع نظر اطلاقی لسانیات کی اور بھی متعدد جہتیں ہیں جن کی طرف اشارے کیے جا سکتے ہیں مگر ان کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے موجودہ کتاب سے کہیں زیادہ بڑی کتاب درکار ہوگی، ترجمہ، خصوصاً مشینوں کے ذریعے ترجمہ اس کی ایک واضح مثال ہے۔ ہم مترجم کے کام کے لیے اس وقت تک مشین تیار نہیں کر سکتے جب تک کہ اُسے معلومات کی ایک بڑی مقدار مہیا نہ کر دی جائے۔ مشین کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُسے ان دونوں زبانوں کی ساخت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا جائے جن میں اُسے ربط پیدا کرنا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی

کہ کس طرح ایسے متبادل اور مترادف انفاظ معلوم کیے جا سکتے ہیں ۔جن کی موجودگی کا ہمیں علم ہے۔ یہ ایک ایسا پس منظر ہے جس کا بڑا حصہ صرف ماہرِ لسانیات ہی فراہم کر سکتا ہے۔ ایک اور میکانکی کام میں ماہرِ لسانیات کی ضرورت پڑتی ہے یعنی تار ترسیل (TELE COMMUNICATION) اور اس کے نظام کی دوسری مختلف شکلیں، مثال کے طور پر ٹیلیفونی ترسیل کے لیے صوتیات انتہائی اہم ہے۔ تاروں کے ذریعے آواز بھیجنے میں رقم خرچ ہوتی ہے اگر کوئی ایسی آواز کی مقدار کو کم کر دے جنھیں تاروں کی مدد سے بھیجنا ہے تو یقیناً بڑی بچت ہوگی۔ اس سلسلے میں لسانیاتی مسئلہ یہ طے کرنا ہے کہ بات چیت کے کون سے عناصر قابلِ فہم اور قابلِ قبول ہیں اور کون سے نہیں۔ اس طرح جہاں تک ترسیل کا تعلّق ہے بہت سے غیر ضروری عناصر کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن یہ طے کرنا بڑے پیمانے پر تحقیق چاہتا ہے۔ اس پر ابھی تجربے ہو رہے ہیں ۔

میکانکی تیکنیکوں کے بارے میں لسانیاتی معلومات کے بہت سے دوسرے استعمال کے طریقوں پر بھی سوچا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض پر کام شروع بھی ہو چکے ہیں ۔مثال کے طور پر یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ بہروں کے لیے ایک نئے قسم کا بصری آلہ تیار کیا جائے جو سمعی صوتیات کی مدد سے حاصل کی ہوئی معلومات پر مشتمل ہو۔ ایسی مشین تو پہلے ہی سے تیار ہو چکی ہے جو تکلّمی آوازوں کی تصویر تیار کر سکتی ہے۔ گو کہ یہ تصویر بڑی پیچیدہ ہے اور اس کو پڑھنا بھی مشکل ہے۔ اس

مشین کو صوت اسپیکٹروگراف (SOUND SPECTROGRAPH) کہتے ہیں۔
اگر مختلف آوازوں کی تصاویر آسانی سے پہچانی جانے والی اور ترتیب وار شکلوں کے سلسلوں میں آسکیں تو ہم تکلّم کو براہِ راست تحریر میں لا سکتے ہیں۔ ہم ایک ایسی دستی مشین کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں جس میں مائیکروفون (MICROPHONE) اور ایک پردہ لگا ہو اور مائک پر بات کرنے کے بعد پردوں پر تصویر آجائے۔ اس طرح ایک بہرا شخص نئے "حروفِ تہجّی" کو سیکھنے کے بعد گفتگو کو براہِ راست "پڑھ کر" فوراً سمجھ سکتا ہے۔ اس تیک نیک کو یقیناً کاروباری منصوبوں میں استعمال کرنے کے لیے کافی بڑے تحقیقاتی کام کی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلے میں ابھی بہت کم کام ہوا ہے۔ اُصولی طور پر اس کی اہمیت اور افادیت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

لسانیاتی تحقیق میں بہرحال مشینوں کے استعمال پر ہمیں اپنے تخیّل کو بہت زیادہ اونچا نہیں اُڑنے دینا چاہیے۔ سائنس داستانوں کی دنیا جہاں مشینی آدمیوں (ROBOTS) سے سوال جواب ہوتے ہیں، اسے حقیقت کا روپ دینے میں ابھی بہت وقت لگے گا۔ ابھی ہمارے پاس گفتگو کے اجزا کو مرتّب کرنے کی ایسی معلومات ناکافی ہیں جن سے ہم اُسے حقیقت میں تبدیل کر سکیں۔ مثلاً ایسی چھوٹی مشینوں کو بنانے کے تیک نیکی مسائل جسے آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔ یہاں تک کہ کمپیوٹر کے ذریعے بلند آواز میں ہدایت کا کام بھی ابھی کامیابی کے ساتھ تکمیل کو نہیں پہنچا ہے۔ ہم ابھی کمپیوٹر سے یہ بھی توقع نہیں کرتے کہ وہ ہماری بات

کا انہیں الفاظ میں جواب دے۔

اس سے ہمیں محتاط رہنا چاہیے کہ ہم لسانیاتی تصوّرات کو قبل از وقت کسی چیز پر لاگو نہ کرنے لگیں۔ عام لوگوں کو لسانیاتی بحث کے ذریعے مرغوب کرنا مشکل نہیں ہے کیونکہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس کے بارے میں جانتے ہیں، اصولی طور پر ہمیں ان دعووں پر تنقیدی روّیہ اختیار کرنا چاہیے جو عام طور پر لوگ لسانیات کا نام لے کر کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر متوازن نظریات گمراہ کُن ہیں اور وہ اس علم کی عام اندازِ فکر کی نمائندگی نہیں کرتے۔ مثلاً یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صوت اسپیکٹوگراف میں آوازوں کی جو تصاویر سامنے آتی ہیں وہ ایسی معلومات رکھتی ہیں جن کے ذریعے اگر ہم تربیت یافتہ ہیں تو بولنے والے کو پہچان سکتے ہیں (آوازوں کی کیفیت پر بنیادی معلومات کے لیے پچھلے صفحات ملاحظہ کیجیے۔) یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ پانچ آدمیوں کے بولے ہوئے دس جملے سُن کر بتایا جا سکتا ہے کہ کون سے جملے ایک ہی آدمی نے ادا کیے ہیں۔ نظریاتی طور پر تو اس بات میں کوئی مشکل نظر نہیں آتی، لیکن ابھی ہمارے پاس بہت کم ایسی تجرباتی شہادتیں ہیں جو یہ بتا سکیں کہ ایسا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے البتہ ایسی واضح شہادتیں ضرور موجود ہیں جو ثابت کر سکتی ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ ابھی حال ہی میں امریکہ کی ایک عدالت نے آوازوں کی تصویروں سے حاصل کی ہوئی ایک گواہی کو تسلیم کیا ہے (انہوں نے اسے صوت نشان (VOICE PRINTS) کے نام سے پکارا ہے۔ یہ اصطلاح انگلیوں کے

نشانات کے مماثل وضع کی گئی ہے۔) اس مثال میں نظریہ قائم ہونے سے پہلے ہی اس کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

اب ہم اطلاقی لسانیات کی ایک بالکل مختلف شکل کو لیتے ہیں جس میں لسانیات اور تکلمی بگاڑ کے درمیان تیزی سے ترقی پانے والا تعلق ہے۔ زبان کی بگڑی ہوئی شکلوں کی کئی قسمیں ہیں جو ہمارے بولنے، سننے اور سمجھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان پر قابو پانے سے پہلے یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ لسانیاتی نقص دراصل ہے کیا؟ اور وہ زبان کے عام معیار سے کہاں تک ہٹا ہوا ہوتا ہے؟ کیا یہ بے ترتیبی صوتیاتی، فونیمیاتی، قواعدی یا معنویاتی ماہیت کی ہے یا ان میں سے بعض کا مجموعہ ہے؟ اگر بے ترتیبی قواعدی ہے تو اس کا کون سا حصّہ کتنا متاثر ہوا ہے؟ ایسے سوالات کا جواب دینے کے لیے ہمیں دو چیزوں پر غور کرنا پڑتا ہے۔ اوّل بولنے والے کی تکلمی عادتوں کی توضیح کے بعد اُسے زبان کے معیار سے ملانا یا بول چال کے معمول کے روّیوں سے اُسے ناپنا۔ ایسا کرنے کے مقابلے میں کہنا آسان ہے۔ درحقیقت لسانیاتی معیاروں کا معمول کاغذ پر وجود ہی نہیں رکھتا۔ ماہرین کو اپنے تجربات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جن پر اختلافِ رائے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ ایک شخص کے تکلّم میں پائے جانے والی نمایاں تبدیلیوں پر توجّہ دیتے ہیں لیکن ان سے ایسے بنیادی انحرافات کو نظرانداز کر دینے کا خطرہ رہتا ہے جو نسبتاً کم نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بھی واضح نہیں ہوتا کہ ایک چار سالہ بچّے کے تکلّم کے سانچوں کا اندازہ کیا ہوتا ہے۔ یہ

معلومات کی ایسی کمی ہے جس کا ماہرِ لسانیات بڑی آسانی سے تدارک کرسکتا ہے۔ وہ ایک معالج کے فرائض انجام دینے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنی واضح لسانیاتی معلومات کو معالج کے حوالے کردیتا ہے تاکہ وہ لسانیاتی نقطۂ نظر سے اپنے فرائض کو ایسی حالت میں لے آئے جس کے حصول کے لیے مریض اس کی مدد کا محتاج ہے۔

اب تک جن جہتوں پر غور ہوتا رہا ہے ان کا تعلّق لسانیات سے ضمنی نوعیت کا ہے۔ ان پر مکمّل تربیت کے بعد ماہرِ لسانیات توجّہ تو کرتا ہے مگر وہ اس کی بنیادی تربیت کا حصّہ نہیں ہوتیں۔ ابھی مطالعے کے ایسے کئی میدان باقی ہیں جن کو کبھی لسانیات کی دلچسپی کے دائرے سے آگے کی چیز سمجھا جاتا تھا لیکن اب اُنہیں ایک ماہرِ لسانیات کی تربیت کا لازمی جزء تصوّر کیا جانے لگا اور جنہیں عملی اعتبار سے اب اطلاقی لسانیات کا نام نہیں دیا جاتا۔ یہ ایسے ضمنی موضوعات ہیں جو علمی مطالعے کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ منطبق ہوجاتے ہیں چنانچہ انہیں

فلسفیاتی لسانیات (PHILOSOPHICAL LINGUISTICS)

ریاضیاتی لسانیات (MATHEMATICAL LINGUISTICS)

شماریاتی لسانیات (COMPUTATIONAL LINGUISTICS)

نفسیاتی لسانیات (PSYCHOLOGICAL LINGUISTICS)

عمرانیاتی لسانیات (SOCIOLOGICAL LINGUISTICS)

جیسے ناموں سے پکارا

جاتا رہا ہے۔ اس کتاب میں ہمیں ان مسائل میں سے اکثر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں

ہے۔ جن کا تعلق لسانیات کی متذکرہ شاخوں سے ہے۔ ہم نے کتاب کے گذشتہ چند صفحات میں یہ اشارے کیے ہیں کہ زبان کے خصوصی مطالعے میں ان میں سے ایک یا کئی شاخوں میں خصوصی تربیت حاصل کرنے کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر خودکار مشینی ترجمہ اور شماریاتی لسانیات، تکلّمی بگاڑ اور نفسیاتی لسانیات وغیرہ (یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کسی کے تکلّم کی ادائیگی میں بھی خامیاں ہوسکتی ہیں اور سننے میں بھی) میں عمرانیاتی لسانیات کے کسی ایک پہلو کو بعد میں قدرے تفصیل سے بیان کروں گا تاہم اس موضوع پر گذشتہ صفحات میں کئی بار روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ اسے لسانیات کی اصطلاح میں عام طور پر اسلوبیات (STYLISTICS) کہا جاتا ہے۔

اپنے عام مفہوم میں اسلوبیات کو زبان کی اُن خاص اقسام کے مطالعے میں لسانیاتی تکنیکیوں کے اطلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے جو ایک مروّجہ تکلّمی جماعت میں رائج ہیں، جیسے علمی، قانونی، مذہبی، مباحثی یا ادبی یا ایسی زبان جو مختلف سماجی طبقوں سے تعلّق رکھتی ہے۔ یہ اندازہ لگانے میں بہت زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں کہ ہم جو زبان اپنی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتے ہیں اس میں بڑے نمایاں فرق ہوتے ہیں۔ یہ تفریق اس سماجی صورتِ حال پر منحصر ہے جس میں ہم رہتے ہیں، مثلاً کسی بچّے سے بات کرتے وقت ہماری زبان اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو ہم دوسرے حالات میں استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم کبھی

غلطی نہیں کرتے۔ اسی طرح زبان کی دوسری مختلف قسمیں یا اسالیب ہیں جنہیں ہم مناسب موقعوں پر استعمال کرتے ہیں۔ اسلوبیات میں یہ مطالعہ کیا جاتا ہے کہ زبان یا تحریر کی کونسی قسم کس موقع کے لیے مناسب ہے۔ یہ علم ہمارے اندر صلاحیت پیدا کرتا ہے اور ان تبدیلیوں پر قابو پاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم ابتدائی عمر ہی سے ان سماجی اختلافات سے کسی قدر واقف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً " ایک پادری سے اس طرح کی زبان مت بولو" یہ نصیحت ہمیں سکھاتی ہے کہ کس موقع پر کون سی مناسب لسانیاتی عادتوں کو اپنانا چاہیے اور کس طرح کی زبان سے گریز کرنا چاہیے۔ ایسی پابندیاں کسی حد تک تو ہم بچپن ہی میں سیکھ لیتے ہیں۔ پھر اسکول کی زندگی میں زبان کی مختلف اقسام کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر جہاں یہ سکھایا جاتا ہے کہ ایک خط یا مضمون کس طرح لکھنا چاہیے۔ لیکن ان روایات کے بارے میں ہمیں شاذونادر ہی بتایا جاتا ہے جو ہمارے چاروں طرف بکھری ہوتی ہیں اور جن سے ہمارا روزانہ واسطہ پڑتا رہتا ہے، مثلاً قانونی زبان، سرکاری ملازمتوں کی زبان، اشتہاروں کی زبان، سائنس دانوں کی زبان وغیرہ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خاص تکنیکی گفتگو نہ ہونے کے باوجود بھی ہم لوگوں کی باتوں کو پوری طرح نہیں سمجھ پاتے یا ہم کسی شخص کے نقطۂ نظر کو قبول کرنے میں دھوکا کھا جاتے ہیں کیونکہ اس کے استدلال کے طریقے سے ہم زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں یا کسی خاص موقع پر ناقابلِ استعمال لفظ یا فقرہ بول کر ایک طرح سے ہم لسانیاتی پتھر کھینچ مارتے ہیں

ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اس بات سے قطعی ناواقف ہیں کہ زبان کس طرح کام کرتی ہے۔ اسلوبیات زبان کے مخصوص استعمال کے عمل کو دکھا کر اس طرح کی صورتوں سے ہمیں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک بار یہ جان لینے کے بعد ہمارے اندر زیادہ اعتماد پیدا ہوجاتا ہے۔

وضاحت کے طور پر اس نکتے کو سمجھنے کے لیے ایک دلیل لیجیے۔ ایک شخص زبان کے کسی ٹکڑے کا ایک خاص مطلب نکالتا ہے (خواہ وہ زبان قانونی دستاویز ہو یا انکم ٹیکس کا کوئی فارم یا ایک نظم) اور دوسرے کے خیال میں اس کا مفہوم کچھ اور ہے۔ اس بحث پر فیصلے کی ایک یہی صورت ہے کہ متن جو کچھ کہتا ہے اس کا کسی قسم کا تجزیہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ تجزیہ جتنا باقاعدہ ہوگا اتنا ہی بہتر ہے۔ اگر ہم نظم یا ناول سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں تو ادبی تنقید میں ہمیں جذباتی ردِ عمل سے آگے بڑھ کر بھی کچھ کرنا ہوگا۔ ایک نظم کے بارے میں ہمارا موضوعی تاثر اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ کوئی دوسرا اس کی مخالفت نہ کرے۔ پھر اس طرح کے جملے دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں کہ "... لیکن میں نظم کو پسند کرتا ہوں" یا "... میں سمجھتا ہوں کہ یہ نظم اچھی ہے"۔ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ یہ شخص نظم کے بارے میں بُری رائے رکھتا ہے وہ ہمارے تاثرات کی وجہ جاننا چاہے گا۔ ہمارے تاثرات میں داخلیت موجود ہے۔ جواز کے لیے ہمیں اس بات کی کوشش کرنا ہوگی کہ ہم اس نظم کی زبان پر توجہ دیں اور دیکھیں کہ اس زبان

میں ایسی کیا بات ہے جس نے یہ موافق یا ناموافق ردِ عمل پیدا کیا ہے۔ جیسے ہی ہم ایسا کریں گے ہمیں ایسے توضیحی راستوں اور ذرائع کی ضرورت ہوگی جو بتا سکیں کہ اس نظم میں کیا ہے۔ یہاں ہمیں پھر لسانیاتی تیک نیک کی طرف واپس جانا ہوگا۔ اس اعتبار سے اسلوبیات کا مطالعہ بہت سے لوگوں کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں میں ماہرِ عمرانیات، ماہرِ تعلیم، ماہرِ نفسیات، فلسفی، ادبی نقّاد اور عام انسان سب ہی آتے ہیں کیونکہ یہ سب کسی نہ کسی شکل میں زبان کے استعمال سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

یہاں ایسے اور بھی بہت سے کام گنائے جا سکتے ہیں جن میں ماہرِ لسانیات مدد کر سکتا ہے۔ میں نے لسانیات کے فوائد کو شاید کافی تفصیل سے پیش کر دیا ہے۔ اس کے باوجود دلچسپ تحقیقاتی کاموں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کا ابھی ذکر باقی ہے؟ جیسے پڑھنے اور لکھنے کی اصطلاحیں (مثلاً یہاں ان لسانیاتی تصوّرات کا خیال رکھنا چاہیے جو ابتدائی تعلیم کے وقت رسم خط سکھانے میں بروئے کار لائے جاتے ہیں۔) مشتبہ مصنّفوں کے بارے میں سوالات (جیسے کیا یہ مراسلات سنیٹ پال کے تحریر کردہ ہیں ؟ یا ان ڈراموں کا مصنّف بیکن ہے۔ اس سلسلے میں کیا ہم اسلوب سے کوئی شہادت حاصل کر سکتے ہیں) اور عالم گیر امدادی زبانوں (مثلاً (ESPERANTO) کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا سوال وغیرہ۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی لسانیاتی نصاب اسی وقت قابلِ قدر ہو سکتا ہے۔ جب وہ اس بات کا ضامن

ہو کہ طالب علم نے انگریزی کے علاوہ کم سے کم ایک زبان کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور اس میں کافی دستگاہ رکھتا ہے۔ یہ زبان یورپی یا اس سے بھی دور کی کوئی زبان ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خصوصی پیشے جن میں کسی خاص غیر ملکی زبان یا زبانوں میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، ایک ماہر لسانیات کے لیے بھی اسی طرح نکلے ہوتے ہیں جس طرح ایک ایسے شخص کے لیے جس نے صرف ایک زبان میں ڈگری حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر فرانسیسی اور فرانسیسی اور لسانیات یا لسانیات جہاں فرانسیسی میں مہارت حاصل کی گئی ہے جیسی ڈگریوں کے درمیان خاص فرق ادب کی وہ بڑی مقدار ہے جس کی اوّل الذکر میں تحصیل کی گئی ہے۔ لیکن فرانسیسی زبان کے مطالعے کی یہ ڈگریاں تقریباً یکساں ہوتی ہیں اور غالباً باقی دونوں ڈگریوں کے مقابلے میں بنیادی تربیت کے اعتبار سے زیادہ بہتر سمجھی جاتی ہیں۔

اس طرح ان میدانوں سے قطع نظر جن پر پہلے بحث ہو چکی ہے، لسانیات کے ایسے تربیت یافتہ شخص کے لیے امکانی پیشوں کی طویل فہرست بنائی جا سکتی ہے جس نے جدید زبانوں میں مہارت حاصل کی ہو۔ اس سلسلے میں جن میدانوں پر غور کیا جا سکتا ہے، ان سب کے لیے ماہرین زبان کی ضرورت ہے، جیسے سول سروسوں کے متعدد شعبے (بالخصوص ڈپلومیٹک آسامیاں)۔ برٹش کونسل اور ایسے دوسرے ادارے جو بین الاقوامی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ عام طور پر تعلقات عامّہ، سیاحت کا شعبہ، قومیائی صنعتیں، عام نظم و نسق (بالخصوص تعلیم میں) بین الاقوامی

ادارے (جیسے ـــــ UNESCO) شہری ہوا بازی، بندرگاہوں کے تنظیمی ادارے، تجارت، بینک کاری اور بیمہ کمپنیاں، درآمدی صنعتیں اور بیرونی ممالک کی کمپنیاں، اشتہارات، ذرائع برائے ترسیل عامیہ (بالخصوص نشریات اور اخبار نویسی خاص طور سے جن کا تعلّق غیر ملکی نامہ نگاروں سے ہو۔) انجینئرنگ، ہوٹل اور میزبانی کی صنعتیں، مسلح افواج، تار اور ٹیلی فون کے ادارے، پیشہ ور مترجم (جیسے تجارتی، ادبی، سرکاری یا سائنسی شعبوں میں) اور اگر گھریلو سطح پر دیکھا جائے تو سفری ایجنسیاں، کتب خانے، بڑے بڑے ڈپارٹمنٹ اسٹور اور ہر قسم کا کاروباری کام وغیرہ۔ ان تمام میدانوں میں ایسے لوگوں کے لیے ملازمتیں موجود ہیں جو ایک یا ایک سے زیادہ جدید زبانوں پر اچھی دسترس رکھتے ہیں اور جن میں غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی اہلیت ہے۔ یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ ایسے کاموں سے خوفزدہ نہیں ہیں۔

ہر اُس کام میں جس کا زبان سے تھوڑا سا بھی تعلّق ہے لسانیات سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ قدرتی طور پر انسانی طرزِ عمل کے کسی ایسے پہلو کا تصوّر کرنا مشکل ہے جہاں یہ صورتِ حال نہ ہو۔ خود اظہاری اور تفہیم کا مسئلہ ایک عمومی مسئلہ ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہم زبان کا باقاعدہ مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے پاس زبان ہی ترسیل کا موثر ترین ذریعہ ہے لیکن صرف اسی صورت میں جب اسے ٹھیک طرح سے استعمال کیا جائے۔

اگر زبان کو بھونڈے طریقے سے استعمال کیا جائے گا تو وہ ترسیل میں بھی اُسی حد تک رکاوٹ بن جائے گی۔ یہ فقرہ بہت مشہور ہے کہ "وہ زبان بولنا ہی نہیں جانتے" یہ ان موقعوں پر چسپاں ہوتا ہے جو سماج کی مختلف سطحوں پر ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ چاہے وہ میاں بیوی ہوں، ملازم اور تاجر ہوں، حکومت کی مخالف اور موافق پارٹیاں ہوں یا مخالف حکومتیں ہوں۔ ہم سب نے ایسی ہڑتالوں کا ذکر سنا ہوگا جو صرف اس بنا پر ہوئیں کہ کسی جھگڑے کے ایک فریق نے لفظی بحث میں گفتگو کا غلط سرا پکڑ لیا تھا یا ایسے کاروباری خط لکھے گئے جن کا مقصد تو خوشگوار اثر پیدا کرنا تھا لیکن جنہوں نے حقیقت میں نفرت پیدا کردی۔ غالباً ہماری زبان ہماری زندگی کا سب سے حسّاس پہلو ہے ہمیں "جمہوری" جیسے لفظ ہی کو دیکھنا چاہیے۔ جس سے ہم محسوس کریں گے کہ دو ملک ایک ہی لفظ کا استعمال کرتے ہیں لیکن ان سے بالکل مختلف مفہوم مراد لیتے ہیں :۔ "آہنی پردہ" کے بارے میں صحیح کہا گیا ہے کہ یہ معنیاتی پردہ بھی ہے۔

ہماری روزمرّہ کی زندگی میں زبان اتنی ضروری ہے کہ ہمیں اس کی حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ چاہے زبان ہی پریشانی کا سبب کیوں نہ ہو لیکن ہم اس کے لیے دوسری وجوہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم زبان کے وجود کو بے سوچے سمجھے قبول کرنا چھوڑ دیں اور اس کی پیچیدگی اور اس کے استعمال کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں تو شاید آنسوؤں، مشقّت اور پسینے

کی ایک بڑی مقدار سے بچا جا سکتا ہے۔ سانیاتی خود شناسی ایک ایسا نصب العین ہے جس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ میرے خیال میں یہی وہ چیز ہے جو اس مضمون کا آخری عملی جواز ہے اور اسے ہی موجودہ کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

ضمیمہ الف

تفصیلی مطالعہ کے لیے

لسانیات کا بنیادی مقصد پیش کرنے والی کتابیں

اس حصے میں شامل تمام کتابیں بنیادی لسانیاتی مسائل کا ایک کارآمد جائزہ فراہم کرتی ہیں۔ یہ کتابیں نسبتاً کم قیمت کی ہیں اور میری رائے میں ان کا مطالعہ بھی آسان ہے۔

D. ABERCROMBIE, PROBLEMS AND PRINCIPLES IN LANGUAGE STUDY (LONGMANS, 1956)

یہ کتاب کافی کارآمد ہے اور زبان کے تجزیے سے متعلق متعدد بنیادی، نظریاتی اور عملی مسائل کی واضح تصویر پیش کرتی ہے۔ اس میں خاص طور سے غیر ملکیوں کو انگریزی سکھانے اور صوتیاتی مسائل پر زور دیا گیا ہے۔ ایک دلچسپ باب زبان کی اشاریت پر بھی ہے۔

R.A. HALL, LINGUISTICS AND YOUR LANGUAGE (DOOBLEDAY, 1960)

یہ کتاب عمومی لسانیات کے مختلف اجزا کے تعارف پر مشتمل ہے۔ اس میں

زبان کے عام اور روایتی معیاروں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ یہ لسانیات کی اکثر اصطلاحوں کی واضح تشریح بھی پیش کرتی ہے۔

O. JESPERSON, MANKIND, NATION AND INDIVIDUAL, (ALLEN & UNWIN, 1964)

یہ زبان سے متعلق مختلف بنیادی سوالوں پر مشتمل مضامین کا ایک مجموعہ ہے، جیسے زبان اور بولی کے درمیان رشتے کی نوعیت، صحتِ زبان کے معیار اور عامیانہ بولی وغیرہ۔ یہ کتاب خیال انگیز شخصی نقطۂ نظر کی حامل ہے جس میں کئی مشہور معیاروں کو لسانیاتی تناظر میں پیش کیا گیا ہے لیکن فی نفسہٖ اسے لسانیات کا تعارف نہیں کہا جا سکتا۔

E. SAPIR, LANGUAGE (HART-DAVIS, HARVEST-BOOKS — 1955)

یہ 1921ء میں لکھی گئی ایک کتاب کا پیپر بیک ایڈیشن ہے جو زبان کی فطرت کے اوّلین منظم جائزوں میں سے ایک ہے۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب ایک شخصی جائزے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں مصنّف کے ذاتی میلانات کا عکس جھلکتا ہے۔ یہ مطالعہ زبان کے عمومی و عملی پہلوؤں کی واضح اور فکر انگیز تفسیر پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی اس میں تقابلی معلومات کا وافر ذخیرہ بھی شامل ہے۔ اپنے زمانہ تالیف کے پیشِ نظر بعد میں ہونے والے بہت سے نظریاتی اور تیکنیکی

ارتقا اس کتاب میں یقیناً نہیں ملتے لیکن اس طرح ایک لازمی تعارفی مطالعے کی حیثیت سے اس کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی۔

J. WARBURG, VERBAL VALUES (ARNOLD – 1966)

اس کتاب میں زبان کے بارے میں بہت سے روایتی معیاروں کے صاف ستھرے تنقیدی جائزے کو مکالموں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

لسانیات کے عمومی تعارفوں پر مشتمل کتابیں

اس حصّے کی تمام کتابیں لسانیات کے اصولوں اور طریق کاروں کا بخوبی احاطہ کرتی ہیں۔ یہ کتابیں لسانیات کے مطالعے کے جامع نصابی تعارف کا کام بھی دے سکتی ہیں۔

L. BLOOMFIELD, LANGUAGE (ALLEN & UNWIN-1933)

لسانیات پر غالباً اتنی موثر کتاب پہلے کبھی نہیں لکھی گئی۔ کافی پرانی ہونے کے باوجود اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس میں ایک جامع اور مفصّل لیکن مشکل پیرائے میں لسانیاتی تجزیے کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔ جنہیں غور اور احتیاط سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

R.A. HALL, INTRODUCTORY LINGUISTICS (CHILTON BOOKS-1964)

یہ لسانیاتی مطالعے کے مختلف اجزا پر ایک بہت طویل اور منظم جائزہ

ہے جسے نصابی کتاب کے طور پر لکھا گیا ہے۔ اسے انتہائی سہل اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ انداز کہیں کہیں انتخابانہ ہو گیا ہے۔ خاص زور رومانی زبانوں پر ہے۔ کتاب میں کار آمد کتابیاتی معلومات بھی ہیں۔

R.H.ROBINS, GENERAL LINGUISTICS-AN INTRODUCTORY SURVEY (LONGMAN – 1964)

اوپر بیان کی گئی کتاب کے مقابلے میں یہ لسانیات کے تمام پہلوؤں کا زیادہ گہرائی اور جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتی ہے۔ یہ انتہائی کار آمد لیکن مشکل معیاری نصاب کی کتاب ہے جس میں قاری کی معلومات کے بارے میں بہت کچھ فرض کر لیا گیا ہے۔ ایسے مبتدیوں کو بغیر کسی نگرانی کے نہیں پڑھنا چاہیے۔

بالخصوص انگریزی زبان کے بارے میں چند کتابیں

اس حصے میں شامل تمام کتابیں ایسی ہیں جن میں انگریزی زبان کے ایک یا ایک سے زائد پہلوؤں کو لے کر مخصوص لسانیاتی خاکے کے تحت اُن پہلوؤں کا عمیق مطالعہ کیا گیا ہے۔ انہیں لسانیاتی اصولوں اور طریقِ کاروں کے بارے میں معلومات کے لیے ہی نہیں بلکہ خود انگریزی زبان کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کے لیے پڑھنا چاہیے۔

CRYSTAL & D.DAVY, INVESTIGATING ENGLISH STYLE (LONGMAN – 1969)

اس میں اسلوبیات کی تیکنک کو استعمال کرتے ہوئے انگریزی کی تحریر اور تکلم کی مختلف شکلوں کی تعارفی جانچ پڑتال کی گئی ہے۔

H.A. GLEASON, JR, LINGUISTICS AND ENGLISH GRAMMAR

(HOLT, RINEHART & WINSTON 1965)

چند مرکزی قواعدی مسائل پر بحث کرتے ہوئے اس کتاب میں انگریزی قواعد کے مطالعے کے کئی مختلف طریقوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب عام فہم ہے۔ اس کے چند ابتدائی ابواب میں لسانیات کی تاریخ کا کارآمد جائزہ بھی ملتا ہے۔

F.R. PALMER, THE ENGLISH VERB (LONGMAN 1965)

یہ کتاب انگریزی قواعد کی خاص لہجہ کے خصوصی جائزے پر مبنی ایک تفصیلی اور باقاعدہ مطالعے کی اچھی مثال ہے۔

R. QUIRK, THE USE OF ENGLISH (LONGMAN, 2nd EDITION 1968.

یہ کتاب انگریزی زبان سے متعلق متعدد نوعیتوں کے سوالوں پر ایک نہایت عمدہ اور عام فہم تعارف ہے جس میں ساتھ ہی کئی بنیادی لسانیاتی مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں۔ مزید غور و فکر کے لیے اس میں تکمیلی مشقیں بھی دی گئی ہیں۔ کتاب میں دو انتہائی کارآمد ضمیمے بھی شامل ہیں جن میں پہلا انگریزی کے تلفظ پر اے۔ سی۔ جمسن (A.C. JIMSON) کا اور دوسرا جے۔ وار برگ (J. WARBURG) کا صحتِ زبان کے عام فہم معیاروں سے متعلق ہے۔

I. WARD. THE PHONETICS AND ENGLISH (HEFEER, 4th EDITION 1945,

انگریزی کے موجودہ صوتی نظام کی تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں صوتیاتی توضیح کے طریق کاروں کا ایک واضح تعارف پیش کیا گیا ہے۔

متعلقہ مسائل پر چند کتابیں

C. CHERRY, ON HUMAN COMMUNICATION (M.I.T. PRESS 1957)

پیپر بیک کی شکل میں دستیاب یہ کتاب کئی مختلف نقطہ ہائے نظر سے ترسیل کے معیار کا ایک تعارف پیش کرتی ہے جس میں لسانیات، ریاضیات، نفسیات اور CYBERNETICS جیسے نقطہ ہائے نظر بھی شامل ہیں۔ یہ بنیادی معلومات کے اعتبار سے مفید کتاب ہے گو کہ لسانیات کے سلسلے میں یہ کافی انتخابی ہے۔

E.T. HALL, THE SILENT LANGUAGE (FAWCETT-PUBLICATION — 1959)

انسانی رویّے کے وہ غیر لسانیاتی پہلو جن کے ذریعے ہم اپنی تہذیب کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتے ہیں، انہیں اس پیپر بیک کتاب میں نہایت فکر انگیز اور موثر پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

ضمیمہ (ب)

برطانوی یونیورسٹیوں میں لسانیات کے چند اہم انڈرگریجویٹ نصاب

اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کہ کسی دوسرے مضمون کے ساتھ یا اس کے بغیر انڈرگریجویٹ سطح پر برطانوی یونی ورسٹیوں میں لسانیات کا کس قسم کی تعلیم سے سابقہ پڑتا ہے، میں نے مختلف یونی ورسٹیوں کے کلینڈروں کی مدد سے ان نصابات کو یکجا کرکے پیش کیا ہے جو اس تحریر کے وقت دستیاب تھے۔ یہاں لسانیات کے وہ نصاب بھی شامل ہیں جو کسی دوسرے مضمون کے ساتھ اختیار کیے جا سکتے ہیں اور وہ بھی جن کا علیحدہ انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ یہ معلومات صرف اس وضاحت کے لیے پیش کی گئی ہیں کہ لسانیات کس طرح ایک باقاعدہ درسی مضمون کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ ان کا مقصد مختلف نصابات کی قدر و قیمت متعیّن کرنا نہیں ہے اور اس طرح نہ ہی یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ معلومات برطانوی یونی ورسٹیوں میں لسانیات کے طریقِ تعلیم کے بارے میں ہماری رہنمائی کریں گے۔ یہاں ایسے مقامات کا بھی حوالہ نہیں دیا گیا ہے جہاں لسانیات کا مطالعہ ایک ایسے اضافی یا ثانوی مضمون کی حیثیت سے کیا جاتا ہے جو کسی طالبِ علم کے اصل

نصاب میں شامل ہے یا جن پر پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما یا دوسری ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ برٹش کونسل سے شائع ہونے والے ایک سالنامے سے انگریزی زبان کی درس و تدریس اور لسانیات کے مختلف پوسٹ گریجویٹ نصابات کی تفصیل مل سکتی ہے۔ اس کا نام ACADAMIC COURSES IN GREAT BRITAIN RELEVANT FOR THE TEACHING OF ENGLISH AS A SECOND LANGUAGE, ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض اوقات کسی دوسرے نام سے یونی ورسٹی میں لسانیات کی تعلیم دی جاسکتی ہے اور وہ اپنے نام کے بجائے دوسرے کسی شعبے کے نصاب میں شامل ہوکر پڑھائی جاسکتی ہے، جیسے انگریزی یا جدید زبانوں کا مطالعہ۔ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں بہت سی جگھوں پر لسانیات کے کورس کھلتے جارہے ہیں۔ اس سلسلے میں تازہ معلومات فراہم کرنے کے لیے کسی یونی ورسٹی کے رجسٹرار کو لکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ زیرِ نظر معلومات کو بروئے کار لانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی مزید تصدیق کی جائے کیونکہ یونی ورسٹیاں وقتاً فوقتاً اپنے نصابات پر نظرِ ثانی کرکے ان میں ترمیم و اضافے کرتی رہتی ہیں اور چونکہ ہمارے ملک میں لسانیات کے ڈگری سطح کے نصابات کا نمونہ موجود نہیں ہے اس لیے مستقبلِ قریب میں اکثر اس قسم کے ردّ و بدل کی توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ صورتِ حال شاید اس وقت تک رہے گی، جب تک زیادہ جامع اور موثر نصابات تشکیل نہیں پاتے۔

(۱) ری ڈنگ یونی ورسٹی (READING UNIVERSITY): موجودہ تفصیلات یونی ورسٹی کے 1968ء کے کلینڈر کے مطابق ہیں۔ صفحات 302 تا 304۔ یہاں 1970ء کی ترمیمات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

دو ابتدائی میعادوں (TERMS) کے بعد جس میں "زبان کی عمومی خصوصیات" اور "بنیادی توضیحی تیکنیک" کا مطالعہ شامل ہے (یہ تمام کورس طلبا کے لیے لازمی ہیں چاہے لسانیات اس کا موضوع ہو یا نہ ہو۔) مندرجہ ذیل آنرز کورسوں میں سے طلبا کسی ایک کا انتخاب کر سکتے ہیں:

لسانیات بحیثیت ایک منفرد مضمون: یہ کورس دس میعادوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک سال کے لیے باہر جانا بھی شامل ہے۔ کورس ختم ہونے پر جن موضوعات پر امتحان لیا جاتا ہے وہ اس طرح ہیں: (1) صوتیات اور فونیمیات (PHONETICS AND PHONOLOGY)؛ (2) توضیحی لسانیات (DESCRIPTIVE LINGUISTICS)؛ (3) لسانیات کی تاریخ اور لسانیاتی نظریہ (LINGUISTIC THEORY AND HISTORY OF LINGUISTICS)؛ (4) مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک مضمون: (الف) عمرانیاتی لسانیات (SOCIOLINGUISTICS) اور بولیات (DIALECTOLOGY)؛ (ب) ثانوی زبان کا سیکھنا (SECOND—LANGUAGE LEARNING)؛ (ج) بچوں کی تحصیلِ زبان (CHILD LANGUAGE ACQUISITION)؛ (5) تقابلی علم زبان

(COMPARATIVE PHILOLOGY) یہاں رومانی اور ہند یورپی زبانیں یا جرمن اور ہند یورو پی زبانیں شامل ہیں۔)(6) لسانیات کے اعلا نظریے (ADVANCED LINGUISTIC THEORY) (یہاں تمام بڑے ہم عصر مکتبہ ہائے فکر کا مطالعہ شامل ہے۔ 7۔ انگریزی زبان کی ساخت ؛ 8۔ مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک : (الف) فرانسیسی زبان کی ساخت (ب) جرمن زبان کی ساخت، (ج) اطالوی زبان کی ساخت (د) کسی ایسی دوسری زبان کی ساخت جس کی سفارش لسانیات کا استاد کرے، (9) ذیل میں سے کسی ایک مضمون کا انتخاب : (الف) نظریۂ علم (THEORY OF KNOWLEDGE) جسے شعبہ فلسفہ سے لیا جا سکتا ہے (ب) عمرانی بشریات (SOCIAL ANTHROPOLOGY) جسے شعبہ عمرانیات سے لیا جا سکتا ہے اور (ج) خیال اور ترسیلِ خیال کی نفسیات جیسے شعبہ نفسیات سے لیا جا سکتا ہے۔ طلبا کو اپنی تعلیم کا تیسرا سال نمبر 8 کے تحت منتخب کی ہوئی کسی زبان یا لسانیات کے پروفیسر کے ذریعے منظور کی ہوئی کوئی زبان یا بولی کی تعلیم کے سلسلے میں کسی غیر ملکی یونی ورسٹی یا ادارے میں گزارنا ہے۔ اس سال کے دوران طالبِ علم کو منتخب شدہ زبان یا بولی کے کسی ایک پہلو پر مقالہ لکھنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک زبانی امتحان اور صوتیات کا علمی امتحان بھی تمام طالبِ علموں کے لیے ضروری ہے۔

دوسرے مضامین کے اشتراک میں لسانیات کا کورس : فرانسیسی زبان

اور لسانیات، جرمن زبان اور لسانیات، اطالوی زبان اور لسانیات کے کورس دس میعادوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس میں ایک سال کا بیرونی ملک میں دورہ بھی شامل ہے۔ یہاں بھی انہیں اُصولوں کا اطلاق ہوتا ہے جو الگ مضمون کی حیثیت سے فرانسیسی جرمن یا اطالوی زبانوں کی تعلیم پر عائد ہوتے ہیں۔ لسانیات کے کورس کے علاوہ اس میں لسانیاتی ماہیت کے دو ایسے پرچے بھی شامل ہیں جو اس زبان کی تاریخی یا زمانی توضیح سے متعلق ہیں۔ سالانہ امتحان میں لسانیاتی حصّے سے متعلق مندرجہ ذیل مضامین قابلِ ذکر ہیں: (1) صوتیات اور فونیمیات، (2) توضیحی لسانیات (3) لسانیاتی نظریہ اور لسانیات کی تاریخ (4) مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک (الف) عمرانیاتی لسانیات اور بولیات (ب) بچّوں کا تحصیلِ زبان (ج) ثانوی زبان کی تحصیل۔ اس کے علاوہ بیرونی ملک کے دورانِ قیام ایک مقالہ لکھنا بھی ضروری ہے۔

انگریزی ادب اور لسانیات، لاطینی اور لسانیات، نفسیات اور لسانیات یا فلسفہ اور لسانیات کے کورس سات میعادوں پر مشتمل ہیں (اس میں بیرونی ملک میں ایک سال گزارنا بھی ضروری ہے۔) اس کے سالانہ امتحان میں حسبِ ذیل مضامین شامل ہیں (یہاں صرف لسانیاتی حصّے سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں۔):

انگریزی زبان اور لسانیات: (1) صوتیات اور فونیمیات (2) توضیحی لسانیات (3) لسانیاتی نظریہ اور لسانیات کی تاریخ (4) مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک: (الف) عمرانیاتی لسانیات اور بولیات، (ب) بچّوں کی تحصیلِ زبان (5) انگریزی زبان

کی ساخت۔

اطالوی زبان اور لسانیات : (1) صوتیات اور فونیمیات (2) توضیحی لسانیات (3) لسانیاتی نظریہ اور لسانیات کی تاریخ (4) حسبِ ذیل میں سے کوئی ایک : (الف) عمرانیاتی لسانیات اور بولیات (ب) بچوّں کا تحصیلِ زبان (ج) ثانوی زبان کی تحصیل (5) تقابلی علمِ زبان (رومانی اور ہند یوروپی زبانیں)۔

فلسفہ اور لسانیات : (1) صوتیات اور فونیمیات (2) توضیحی لسانیات (3) لسانیاتی نظریہ اور لسانیات کی تاریخ، نمبر چار اور پانچ اور اس کے علاوہ مندرجہ ذیل میں کوئی دو : (الف) عمرانیاتی لسانیات اور بولیات (ب) انگریزی کی ساخت (ج) بچوّں کی تحصیلِ زبان (د) اعلا لسانیاتی نظریہ۔

نفسیات اور لسانیات : (1) صوتیات اور فونیمیات (2) توضیحی لسانیات (3) لسانیاتی نظریہ اور لسانیات کی تاریخ (4) بچوّں کی تحصیلِ زبان۔

(2) **یارک یونی ورسٹی** (UNIVERSITY OF YORK) : یہ تفصیلات یونی ورسٹی کے 70 - 1969 ء کے نصابی کتابچے سے حاصل کی گئی ہیں۔ صفحات : 65 تا 68۔ اس کے علاوہ یہاں زبان کے شعبے کے کتابچے کی معلومات بھی شامل ہیں جو اکتوبر 1968 ء میں شائع ہوا تھا۔

بی۔ اے کی ڈگری کے لیے زبان کو یا تو ایک مضمون کی حیثیت سے یا تین مختلف قسم کے مشترک مضامین کے ڈگری کورس میں سے کسی ایک کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔

ایک مضمون والے کورس میں امیدواروں کو دس پرچے لینا ہوتے ہیں۔ ایک سے سات پرچوں کے علاوہ جن کا ذکر آگے آئے گا، جہاں تک باقی تین پرچوں کا سوال ہے ان کا انتخاب شعبے کی طرف سے دیئے گئے کورسوں میں سے کیا جا سکتا ہے یا ان شعبا جات کی طرف سے جو زبان کے شعبے کے اشتراک سے چلتے ہیں جیسے حیاتیات (BOTONY)، گنتیات (COMPUTATION) انگریزی، ریاضیات، فلسفہ، طبیعیات (PHYSICS) عمرانیات۔ یہاں جدید انگریزی زبان کی تعلیم لازمی ہوگی اگر وہ نیچے دیے ہوئے 6 اور 7 پرچوں کے تحت نہیں پڑھائی جاتی ہے۔ دوسرے اُمیدوار زبان کو اصل مضمون کی حیثیت سے بھی لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ حیاتیات، تعلیمات، انگریزی یا فلسفے کا ثانوی مضمون کی حیثیت سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہ سات پرچے اس طرح ہیں: (1) لسانیاتی رویے کے عمرانیاتی اور نفسیاتی پہلو (2) توضیحی لسانیات (3) تاریخی اور تقابلی لسانیات (4) ایک نئی زبان کے پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی مہارت (5) پہلے، دوسرے اور تیسرے پرچے کی روشنی میں اس نئی زبان کی تاریخ اور ساخت کا مطالعہ (6) عام کورس (G.C.E) کی اے (A) سطح پر (یا دوسرے کسی مساوی امتحان میں) پہلے سے لی گئی غیر ملکی زبان یا انگریزی کی اعلا مہارت (7) نمبر چھے کے تحت پڑھی ہوئی زبان کی تاریخ اور اس کی ساخت کا مطالعہ۔ حسبِ ذیل زبانیں نمبر چار اور پانچ پرچوں کے لیے پڑھی جا سکتی ہیں ؟ جیسے روسی، ہندی، پالی، سنسکرت، سواہلی، چینی، فرانسیسی، جرمن اور انگریزی

(صرف غیر اہلِ زبان کے لیے) اور قدیم انگریزی، وسطی انگریزی اور جدید انگریزی اور
کوئی ایک جرمینک زبان (صرف انگریزی مادری زبان والوں کے لیے) کو پرچہ چھے
اور سات کے تحت لیا جا سکتا ہے۔ (یہ فہرستیں پیشگی اطلاع دیئے بغیر کسی وقت بھی بدلی
جا سکتی ہیں۔ کسی زبان کے کورس کا فراہم ہونا ایک حد تک مناسب تعداد میں طلبا کی
موجودگی پر منحصر رہے ۔) اُمید کی جاتی ہے کہ آئندہ چل کر دراوڑی خاندان کی زبانوں
سے تامل یا ملیالم زبان کی تعلیم و تدریس کا بھی جلد ہی انتظام ہو جائے گا۔ چھٹا پرچہ
پڑھنے، ٹی۔ ٹوریل کے کام اور بات چیت کی کلاسوں اور زبان کے عمل خانوں کے
کام پر مشتمل ہے۔ جن کے ذریعے ہم اس زبان کی جدید بول چال اور لکھے ہوئے
محاوروں پر اعلا مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ ادب کے سلسلے میں لیکچروں یا مطالعے کا
اس طرح کا کوئی کورس مقرر نہیں ہے جبکہ ادب کے وسیع مطالعے کی خاص ضرورت
ہے۔ ساتویں پرچے کے لیے سیمینار اور ٹی ٹوریل کا کام شامل ہے۔ اس کورس کی کل
مدّت عام طور سے چار سال ہے۔ اُمیدواروں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایک سال
کسی ایسے ملک میں گزاریں گے جہاں پر زیرِ مطالعہ زبان بولی جاتی ہے۔ اس کے
لیے عام طور پر تعلیم کا دوسرا سال چُنا جاتا ہے۔ (چینی زبان کا مطالعہ کرنے والے
طلبا کے لیے خاص انتظامات کیے جاتے ہیں۔

جو طالبِ علم کسی غیر ملکی زبان کے بدلے انگریزی لینا چاہتے ہیں، اُسی
صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب انگریزی ان کی مادری زبان نہ ہو یا وہ اس گروپ

کا مطالعہ کرنے کو تیار ہوں جس میں قدیم، وسطی اور جدید انگریزی اور چھٹے و ساتویں پرچے کے لیے کوئی دوسری جرمینک زبان شامل ہو۔ عام طور سے ایسے طالب علموں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے چار سالہ کورس میں سے ایک سال باہر سے آنے والے بچوں کی زبان اور زبان سیکھنے سے متعلق مسائل کا کسی ایسے مرکز یا اسکول میں جا کر مطالعہ کریں گے جہاں اس طرح کے مسائل پر تحقیق کا کام کیا جا رہا ہے۔ بہرحال ایسے طالب علم جو صرف علم زبان سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنا کورس تین سال کی مدت میں پورا کرلیں اور ان کے لیے تحقیقی مرکز میں حاضری ضروری نہ رکھی جائے۔

زبان کو انگریزی یا فلسفے کے ساتھ مساوی طور پر بھی لیا جا سکتا ہے۔ (ایسی صورت میں اوپر دیئے ہوئے 1، 2، 3، 4 اور پانچ پرچے لیے جاتے ہیں۔) یا زبان کو حیاتیات، انگریزی، تاریخ، ریاضیات یا فلسفے کے ساتھ ثانوی مضمون کی حیثیت سے بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ (اس طرح اوپر دیئے ہوئے 1، 2 اور 3 پرچے لینا ہوں گے۔) عام طور سے ان کورسس کی مدت تین سال ہے۔

(3) لندن یونی ورسٹی، اسکول برائے اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز (UNIVERSITY OF LONDON, SCHOOL OF ORIENTAL AND AFRICAN STUDIES) ۔ یونی ورسٹی کی دو مضمونی بی۔ اے۔ آنرز کی ڈگریوں کے مندرجہ ذیل مضامین میں نصف حصہ عمومی لسانیات پر مشتمل ہے:

ایک افریقی زبان اور لسانیات ،بشریات اور لسانیات ، فرانسیسی اور لسانیات ۔جرمن انگریزی اور فلسفے کے ساتھ مشترک کورس زیرِغور ہیں ۔ مطالعے کا میدان حسب ذیل ہے :عمومی، تاریخی اور تقابلی لسانیات کے اصول وضوابط ،عمومی لسانیاتی نظریہ، اور اس کے قواعد، معنیات ،صوتیات اور فونیمیات بھی شامل ہیں ۔اس کے علاوہ دو مضمون پر مشتمل ڈگری حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل مضامین میں سے کن ہی دو کا تفصیلی مطالعہ ضروری ہے : صوتیات اور تاریخی لسانیات ،لسانیاتی نوعیات (LINGUISTIC TYPOLOGY) اور زبان کی درجہ بندی ،لسانیات اور زبان کی درس وتدریس لسانیات اور ادب کا مطالعہ ،عمرانیاتی لسانیات اور نفسیاتی لسانیات' عمومی لسانیات' افریقی زبان اور بشریات میں بی۔ اے آنرز کی ڈگری کے کورس اور بشریات ونفسیات میں ساؤتھ ایشین اسٹڈیز (SOUTH ASIAN STUDIE'S) کے بی۔ اے۔آنرز کی ڈگریوں کے کورس کا بھی ایک حصہ ہے۔

متذکرہ بالا سے متعلق انڈر گریجویٹ کورسس اس طرح ہیں: لسانیات کا تعارف، صوتیات کا تعارف، لسانیات اور صوتیات کے بارے میں ٹی۔ ٹوریل کلاسیں ،لسانیات کا ایک مختصر جائزہ ، جنوب مشرقی ایشائی زبانوں کی صوتیات کا تعارف ، ترکی زبانوں کی صوتیات کا تعارف ،افریقی زبانوں کی صوتیات کا تعارف' انگریزی قواعد کے توضیحی تجزیے کا تعارف ، ایک ایشائی یا افریقی زبان کے توضیحی تجزیے کا تعارف ،کسی ایک ہند امریکی زبان کا تعارفی مطالعہ، لسانیات کی تاریخ

کا تعارف، ادبی تنقید کے بارے میں لسانیاتی نقطۂ نظر، لسانیاتی نوعیات کا تعارف اور بہت سی ایشیائی اور افریقی زبانوں کی صوتیات اور فونیمیات کا مطالعہ یونی ورسٹی کے دوسرے کالجوں میں طلبا کے لیے بعض خاص قسم کے کورس پڑھنے کا بھی بندوبست موجود ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی صوتیات، نفسیاتی لسانیات وغیرہ۔

(۱۱) لندن یونی ورسٹی، لندن اسکول برائے اقتصادیات اور سیاسات

UNIVERSITY OF LONDON, LONDON SCHOOL OF ECONOMICS & POLITICAL SCIENCES : تفصیلات

1968-69ء کے کتابچے کے صفحات 43 تا 45 سے حاصل کی گئی ہیں۔

یہ اسکول زبان کے مطالعے کے شعبے میں بی۔ اے کی ڈگری کے لیے دو مضامین پر مشتمل کئی کورس فراہم کرتا ہے، جیسے لسانیات اور ایک جدید زبان (جو فرانسیسی یا جرمن میں سے ایک ہو سکتی ہے) اور دو جدید زبانیں (فرانسیسی / روسی، فرانسیسی / ہسپانوی جرمن / فرانسیسی، جرمن / روسی یا جرمن / ہسپانوی) اس بات پر زور دیا گیا ہے چونکہ اسکول میں زبان سے متعلق ڈگری کورس میں داخلے کے لیے جگہیں بہت کم ہیں اس لیے لسانیات کے کورس لینے والے امیدواروں کو ترجیح دی جائے۔ دو زبانیں لینے والے طالبِ علموں کو عمومی لسانیات اور صوتیات کے کورسوں میں تعلیم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ ان کورسس کی مدت چار سال ہے جس میں تیسرا سال کسی بیرونی ملک میں گزارنا ضروری ہے۔ بعض ڈگری کورسس میں چند خاص مضامین لینے والے

طالب علموں کو آخری سال سے پہلے سال کے آخری امتحان میں محدود امتحانی مضمون لینے کی اجازت دی گئی ہے۔

لسانیات اور جدید زبان کے کورس مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہیں۔ سب طالب علموں کو تین پرچے لینے ہوتے ہیں: (1) توضیحی، تاریخی اور تقابلی لسانیات کے اصول و ضوابط (2) لسانیات کے نظریے ــــ الف: قواعد اور معنیات (3) عمومی لسانیات کے نظریے ــــ (ب): صوتیات اور فونیمیات۔ فرانسیسی اور لسانیات لینے والے طالب علموں کے لیے مزید سات پرچے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔ نمبر 4 اور (5) کے علاوہ درج ذیل میں سے کوئی دو کورس: (الف) تاریخی لسانیات '(ب) لسانیات اور زبان کی درس و تدریس (ج) عمرانیاتی لسانیات: زبان اور معاشرہ (د) نفسیاتی لسانیات؛ زبان اور فرد، (ہ) صوتیات، (و) لسانیاتی نوعیات اور زبان کی درجہ بندی، (6) فرانسیسی سے اور فرانسیسی میں ترجمہ (7) فرانسیسی میں مضمون نگاری، (8) فرانسیسی زبان کی تاریخ (9) انیسویں صدی اور بیسویں صدی کا فرانسیسی ادب (10) فرانسیسی کا ایک مخصوص کورس، جرمن زبان اور لسانیات کی ڈگریوں کے لیے تعلیم حاصل کرنے والے طالبِ علم کو مندرجہ ذیل چھے پرچے لینا ہوتے ہیں (4) جرمن سے اور جرمن میں ترجمہ (5) جرمن زبان (6-5) اس کے علاوہ مندرجہ ذیل میں سے کوئی سے چار۔ یہاں کم سے کم نمبر (6-11) میں سے کوئی ایک پرچہ اور (13-15) میں سے کم سے کم دو پرچے لینا ضروری ہیں: (6) تاریخی لسانیات (7) لسانیات اور زبان

کی درس و تدریس (8) عمرانیاتی لسانیات : زبان اور معاشرہ (9) نفسیاتی لسانیات : زبان اور فرد (10) صوتیات (11) لسانیاتی نوعیات اور زبان کی درجہ بندی (12) جرمن میں مضمون نگاری (13) مڈل ہائی جرمن زبان کا کلاسیکی عہد (MIDDLE - HIGH - GERMAN CLASSICAL PERIOD) (14) جرمن ادب 1830ء سے موجودہ دور تک (15) گوئٹے (GOETHE) کا عہد۔ اس کے علاوہ تمام طالب علموں کے لیے صوتیات میں عملی جانچ کرانا اور زبان کے مناسب استعمال کے بارے میں ایک زبانی امتحان دینا بھی ضروری ہے۔

(5) لندن یونی ورسٹی، یونی ورسٹی کالج UNIVERSITY OF LONDON, UNIVERSITY COLLEGE یہ تفصیلات متعلقہ شعبے کے 1969ء کے نصابی کتابچے سے حاصل کی گئی ہیں۔

طالب علم کو فرانسیسی اور لسانیات، جرمن اور لسانیات، فلسفہ اور لسانیات، انگریزی اور لسانیات و بشریات اور لسانیات میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ لسانیات سے متعلق امتحان مندرجہ ذیل پرچوں میں سے چار یا پانچ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلے تین لازمی ہیں: (1) توضیحی، تقابلی اور تاریخی لسانیات کے اصول و ضوابط (2) عمومی لسانیاتی نظریہ — الف: قواعد اور معنیات (3) عمومی لسانیاتی نظریہ — ب: صوتیات اور فونیمیات (مندرجہ ذیل کورسوں میں سے کوئی دو) (4) صوتیات (5) تاریخی لسانیات (6) لسانیاتی

نوعیات اور زبانوں کی درجہ بندی (7) لسانیات اور زبان کی درس و تدریس (8) لسانیات اور ادب کا مطالعہ (9) عمرانیاتی لسانیات : زبان اور معاشرہ (10) نفسیاتی لسانیات: زبان اور فرد۔ تمام اُمیدواروں کو صوتیات میں ایک عملی جانچ کرانا ضروری ہے۔ اس ڈگری کے غیر لسانیاتی حصّے کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کے لیے کلینڈر دیکھیے۔

(6) ایڈن برگ یونی ورسٹی (UNIVERSITY OF EDINBURGH)

یہ تفصیلات 69۔1968ء کے فیکلٹی آف آرٹس FACULTY OF ARTS کے پروگرام سے ماخوذ ہیں۔ صفحات 88، 100، 124 تا 129 (185 اور 195)۔ اس میں 70-1969ء کی ترمیمیں بھی شامل ہیں۔

ایم۔اے کی عام ڈگری کے لیے کم سے کم پانچ مضمون پڑھنا ہوتے ہیں، جن میں سے تین سادہ کورس (SINGLE COURSES) یعنی ایک سال کی مدّت کے اور دو دہرے کورس (DOUBLE COURSES) یعنی دو سال کی مدّت کے کورس شامل ہیں۔ صوتیات اور لسانیات۔ الف کے نام سے موسوم ایک علیحدہ کورس 70-1969ء کے تحت موجود ہے (جو لسانیات اور صوتیات کے پچھلے عام کورس کی جگہ رکھا گیا ہے) اور ایک سادہ کورس 1970/71ء میں متعارف کیا جائے گا۔ صوتیات اور لسانیات ایک اور دو کی عام ڈگری کے لیے یہ دونوں کورس مل کر مطالعے کے لیے ایک دہرا کورس پیش کرتے ہیں۔ اس کلاس میں داخل ہونے والے طالب علم کو عام طور پر انگریزی کے علاوہ ایک یا دو زبانوں میں

اپنی اہلیت کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ جو طالب علم یہ اہلیت نہیں رکھتا اُسے پہلے اپنے پروفیسر سے صلاح لینا چاہیئے۔ یہ کورس مندرجہ ذیل ہیں: صوتیات، فونیمات، قواعد اور معنیات کا تعارف۔ اس کے علاوہ لسانیات کی تاریخ کا مختصر جائزہ تقابلی لسانیات اور سماج میں زبان کی اہمیت بھی شامل ہے۔ صوتیات سے متعلّق حصّہ اس کے عام اصولوں کے تعارف پر مشتمل ہے جس میں صوتیاتی علامتوں سے متعلّق مسائل اور انگریزی تلفظ کا تفصیلی مطالعہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی صوتیات سے متعلق خصوصی مضامین (انگریزی میں ایم۔ اے آنرز کے تحت زبان میں خاص مہارت حاصل کرنے والے طلبا کے لیے) اور رومانی زبانوں کی صوتیات میں کاسٹیلین (CASTILIAN) پرتگالی (PORTUGESE) اور کٹالن (CATALAN) زبانوں کا گہرا مطالعہ (صرف ہسپانوی زبان میں ایم۔ اے۔ آنرز کرنے والوں کے لیے) بطورِ خصوصی اختیاری مضامین کے رکھے گئے ہیں۔

فرانسیسی زبان اور عمومی لسانیات (بمعہ صوتیات) میں ایم۔ اے۔ آنرز بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ کورس چار سال کی مدّت کا ہے جس میں تیسرا سال کسی ایسے ملک میں گزارنا ضروری ہے جہاں فرانسیسی بولی جاتی ہے۔ آنرز کا سالانہ امتحان نو پرچوں پر مشتمل ہے جو اس طرح ہیں: 1 نثر نگاری 2 فرانسیسی مضمون نگاری (عمومی یا لسانیاتی موضوعات پر) 3: فرانسیسی زبان سے ترجمہ 4: فرانسیسی لسانیات (نصف پرچہ) 5 اور قرون وسطیٰ کے فرانسیسی متنوں پر تبصرہ اور ترجمہ اور 6 رومانی لسانیات — الف، ب 7، اور 8 لسانیات آنرز — الف، ب بھی لسانیات سے دلچسپی کی شہادت دیتی ہے۔

(9) فرانسیسی کا زبانی امتحان۔

اس کے علاوہ بشریات اور لسانیات کی ایک مشترکہ ڈگری کا بھی آغاز کیا جا رہا ہے۔

(7) شمالی ویلیس یونی ورسٹی کالج بینگر — UNIVERSITY COLLEGE — OF NORTH WALES, BANGOR : تفصیلات 1968, 69 ء کے کتابچے کے صفحات 36 ، 63 تا 65 سے فراہم کی گئی ہیں۔

بی۔اے کی عام اور آنرز کی ڈگریاں دو صورتوں میں لی جاتی ہیں۔ پہلا حصّہ عام طور پر پہلے پورے ایک سال اور دوسرا باقی سالوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے حصّے کے لیے طالبِ علموں کو تین مضمون لینا ہوتے ہیں جن میں سے ایک لسانیات بھی ہو سکتا ہے۔ تین کورس اس طرح ہیں : 1۔توضیحی لسانیات کا تعارف 2۔صوتیات کا تعارف 3۔فونیمیات اور بولیات کا تعارف۔

اس کے بعد امیدوار لسانیات میں خصوصی مطالعے کی طرف جا سکتے ہیں جہاں انہیں لسانیات میں بی۔اے کی یا تو (عام) ڈگری لینی ہوتی ہے (اس کے ساتھ ایک ثانوی مضمون بھی ضروری ہے) یا لسانیات اور روسی ، لسانیات اور جرمن ، لسانیات یا فرانسیسی (اس میں سے کسی ایک میں بی۔اے کے لیے مشترک آنرز ڈگری کورس کرنا ہوتا ہے۔ یہاں ایک سال باہر کے ملک میں گزارنا بھی شامل ہے۔ اس طرح طالبِ علم کو حصّہ اوّل مکمّل کرنے کے بعد مزید تین سال درکار ہیں) اور انگریزی اور لسانیات، ویلش اور لسانیات (پہلے حصے اوّل کے بعد مزید دو سال پڑھنا ہے)

عام ڈگری کے لیے دوسرے حصّے کے پہلے سال میں حسبِ ذیل میں سے چار کورس لیے جا سکتے ہیں: 1۔صوتیات اور فونیمیات 2۔ قواعدی تجزیہ 3۔ زبان کی مختلف شکلیں اور لسانیاتی تبدیلی 4۔ معنیات ۔آخری سال میں جو تین کورس لیے جا سکتے ہیں وہ اس طرح ہیں: 1۔صوتیات اور فونیمیات 2۔لسانیاتی نظریہ 3۔ زبان کی مختلف شکلیں، آنرز کی مشترکہ ڈگریوں کے لیے تمام طالبِ علموں کو لسانیات کے پانچ کورس لینے پڑتے ہیں: 1۔ صوتیات اور فونیمیات 2۔ لسانیاتی نظریہ اور قواعدی تجزیہ: 3۔ معنیات 4۔ زبان کی مختلف شکلیں اور لسانیاتی تبدیلی 5۔فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانوں کی صورت میں انگریزی کی ساخت کا ایک کورس ہے اور دوسرا زیرِ مطالعہ غیر ملکی زبان کی ساخت سے متعلّق کورس ہے۔انگریزی اور لسانیات کی صورت میں ایک کورس انگریزی کی ساخت سے متعلّق ہے۔ ویلش (WELSH) اور لسانیات کے لیے طالبِ علم ویلش کی ساخت پر ایک کورس یا ویلش اور انگریزی کی ساخت پر دو کورس لے سکتا ہے۔

اس کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، موسیقی اور نفسیات کے آنرز کے طالبِ علموں کے لیے لسانیات اور صوتیات کے امدادی کورس بھی ہیں۔ ویلش آنرز کے طالب علموں کے لیے صوتیات کا کورس بھی دستیاب ہے۔

8۔سورے یونی ورسٹی (UNIVERSITY OF SURREY): یہ تفصیلات 68-1967ء کے نصابی کتابچے کے صفحات نمبر 90 تا 92 سے لی گئی ہیں۔

اس یونی ورسٹی میں لسانیات اور علاقائی مطالعے کا ایک چار سالہ کورس ہے
یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس کتاب میں "لسانیات" عام مفہوم میں استعمال
نہیں ہوئی ہے۔ اس کورس کا عملی مقصد صنعت، تجارت، مقامی اور بین الاقوامی تنظیموں
اور پیشوں کے لیے ماہرینِ لسانیات فراہم کرنا ہے۔ یہاں ماہرِ لسانیات سے مراد
ایک ایسا شخص ہے جو کسی بیرونی زبان میں ہر اعتبار سے بلند پایہ مہارت رکھتا ہو۔
یعنی وہ نہ صرف زبان کے استعمال میں ماہر ہو بلکہ اس علاقے کے بارے میں بھی
وہ وسیع اور گہری معلومات رکھتا ہو جہاں زبان بولی جاتی ہے۔ معاشی اور متعلقہ
کاروباری معاملات سے بھی اُسے اچھی طرح واقفیت ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں
حسبِ ذیل عبارت ہی قابلِ تحریر ہوسکتی ہے۔ ان کورسس میں بیرونی ملکوں کے
تاریخی، ادبی اور ثقافتی ورثے پر مناسب توجہ دی جائے گی۔ وہاں موجودہ سماجی،
سیاسی اور معاشی پہلو خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح طالب علموں کو زبان کی
فطرت اور ساخت کے علاوہ اس کے معاشرتی علوم سے تعلّق کو آشنا کرانے کے
لیے عمومی لسانیات اور اس کے بعد تقابلی لسانیات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ مطالعہ میں
تقابلی تجزیے، اصطلاحات کے مطالعے اور رائج الوقت محاورات کی مطابقت پر
زیادہ زور دیا جائے گا۔ تمام طالبِ علموں سے یہ توقّع کی جاتی ہے کہ وہ کم سے کم ایک
زبان بولنے پر مکمّل روانی حاصل کریں گے اور اس کو بغیر کسی رکاوٹ کے صحیح تلفظ اور
منتخب الفاظ کے ساتھ استعمال کرسکیں گے۔" (صفحہ ۹) اس کے علاوہ "علاقائی

مطالعے میں اس علاقے کے وہ تمام پہلو شامل ہیں جو وہاں کی موجودہ صورتِ حال کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہیں (مثلاً سیاسی اور سماجی تاریخ، معاشی جغرافیہ، سماجی ڈھانچہ، تجارت، سیاسی نظام، عدلیہ، ادب، تعلیم، سماجی رسم ورواج، صنعتی تنظیمیں وغیرہ) علاقائی مطالعہ بڑی حد تک متعلقہ زبان کی مدد سے ہی کیا جائے گا۔" (صفحہ ۹)

اس کورس کے دوسرے عناصر حسبِ ذیل ہیں: کچھ عرصہ زیرِ مطالعہ زبان کے علاقے میں گزارنا جس میں علمی مطالعہ اور کاروباری مصروفیت شامل ہے۔ آخری سال میں زیرِ مطالعہ زبان کے علاقے کے کسی پہلو پر ایک مقالہ لکھنا جو زبانیں مطالعے کے لیے اختیار کی جاسکتی ہیں ان کا انحصار خصوصی مہارت رکھنے والے اساتذہ کی دستیابی پر ہے لیکن یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ ان میں جرمن، روسی، فرانسیسی اور سویڈش (SWEDISH) زبانوں کے اساتذہ شامل ہوں گے جن میں سے اوّل الذکر دو زبانیں خاص مطالعے کی زبان کی حیثیت سے اور موخر الذکر دو زبانیں ضمنی غیر لازمی زبانوں کی حیثیت سے لی جاسکتی ہیں۔ عمومی لسانیات میں تعارفی کورس کے علاوہ تمام طالبِ علموں کو ایک خاص زبان میں کورس مکمل کرنا ہوگا جو حسبِ ذیل اجزا پر مشتمل ہوگا: ترجمہ نگاری، لفظی تجزیہ، اصطلاحات کا مطالعہ، اسلوبیات، بول چال کی مشق اور تیکنیک، بول چال کی زبان کا تجزیہ، صوتیات اور بیرونی زبانوں پر سیمینار۔